محمد بن حسن شیبانیؒ

حیات اور خدمات

مولف

عثمان ابراہیم علی ابوبکر

لکچرر الفاتح یونیورسٹی۔ طرابلس، لیبیا

مترجم

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

شعبۂ عربی۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

محمد بن حسن شیبانی

حیات اور خدمات

مؤلف: عثمان ابراہیم علی ابوبکر

مترجم: ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

نام کتاب : محمد بن حسن شیبانیؒ ۔ حیات اور خدمات

مصنف : عثمان ابراہیم علی ابوبکر

لکچرر الفاتح یونیورسٹی ۔ طرابلس، لیبیا

مترجم : ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

شعبۂ عربی ۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اشاعت اول : ستمبر ۱۹۹۶ء

ناشر : مصنف

قیمت : 25/=

مطبع : لیتھو کلر پرنٹرس ۔ علی گڑھ

کاتب : مجیب اللہ فرقانی

ملنے کا پتہ :

ایجوکیشنل بک ہاؤس ۔ اے ۔ ایم ۔ یو مارکیٹ ۔ علی گڑھ

فہرست

تیسرا باب

چوتھا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان وزینہ بالعقل وشرفہ بالایمان والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی الہ الطاہرین۔

دنیا کے پاس ایسا کوئی مشعل ہدایت نہیں تھا جس سے جہالت کی تاریکیاں دور کی جا سکتیں اور نہ ہی لوگوں کو ایسا کوئی آبِ زلال میسر تھا جس سے امراض قلب کا علاج کر سکتے، ظلم وجہل کی انہی تاریکیوں میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کتابِ ہدایت کے ساتھ تشریف لائے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہہ کر ہراول دستہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، ایسے لوگوں کو دوگنے اجر سے نوازا گیا۔ دنیا میں انھیں استحکام بخشا گیا، اور ان کے انتظام واقتدار میں وسعت وفراخی پیدا کی گئی۔ دورِ اول میں ایسے بے شمار علماء پیدا ہوئے جنھوں نے صداقت ودیانت سے دینِ اسلام کو امت مسلمہ تک پہنچایا، دشمنانِ اسلام کی ہزیمت کے لئے علم بکف ہو کر کھڑے ہو گئے اور کلام رسولؐ کا ایک بڑا ذخیرہ امتِ مسلمہ کے لئے یکجا کر دیا۔ اور آپ کے بکھرے ہوئے اقوال واحکام کو ایک لڑی میں پرو دیا، اور اسے اپنی زبان وبیان کے توسط سے سامعین کے حضور پیش کیا، اور مختلف سینوں میں موجود خزینے کی تدوین کی۔ یہ وہ علماء کرام تھے جنھوں نے اپنی تمام تر توانائی اور خونِ جگر کو راہِ اسلام میں صرف کر دیا، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے اس مقدس فریضہ کی ادائگی سے ایک طرف انھوں نے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کی اور دوسری طرف اپنے ضمیر کو مطمئن کیا۔

ہر زمانے میں علماء کرام اور ملت اسلامیہ کے غیرت مند حضرات قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے باب میں اسی طرح یہ مقدس فریضہ انجام دیتے رہے اور اشاعت

اسلام کے لئے جی جان سے وعدۂ خداوندی پر قائم رہے، تفکر و تدبر میں حکمت کو اپنا رہنما قرار دیا اور آخری وقت تک صبر و عزیمت کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ یہ وہ بے مثال علما تھے جو مستقل غلبۂ حق کے لئے آواز بلند کرتے رہے اور عوام الناس کو دعوت حق دیتے رہے۔ زندگی کے دن پورے ہونے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو کر رحمتِ ایزدی کے زیر سایہ قیام پذیر ہو گئے۔

"الجامع الصغیر" کے مصنف محمد بن حسن شیبانیؒ (متوفی ۱۸۹ھ) کا تعلق بھی ایسے ہی نادر روزگار علماء کرام سے تھا، انھوں نے زبردست خدمات انجام دیں اور ان کی خدمات کا فیض تا قیامت جاری و ساری رہے گا، فقہ اسلامی پر غور و خوض اور اجتہاد کا سلسلہ ہر دور میں باقی رہے گا اور فقہاء محمد بن حسن شیبانیؒ کی فقہی بصیرت کا نہ صرف اعتراف کریں گے بلکہ مختلف مسائل میں انھیں محمد بن حسن شیبانیؒ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ مستقل فقہی دنیا امام شیبانیؒ کی شکر گزار رہے گی، خداوند قدوس سے دعا ہے کہ وہ امام شیبانیؒ، علماء سلف اور ان کے راستہ پر چلنے والے علماء خلف کو جزائے خیر سے نوازے اور امت مسلمہ کو یہ توفیق دے کہ وہ ان علماء کرام کے کاموں کو قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھے جنھوں نے دینِ اسلام کی اشاعت میں اپنی پوری زندگی لگا دی اور دینِ اسلام کے جواہر امت مسلمہ کے ہاتھوں میں سجا دیئے۔ اللہ سے ان کے لئے دعا ہے کہ ان کی قبروں کو انوار و ازہار سے بھر دے۔

علماء کرام کے حق کی ادائگی اور توقیر کا بہترین ذریعہ میرے نزدیک یہ ہے کہ میں ان کی حیات و خدمات کا تعارف لوگوں کے سامنے پیش کروں اور یہ بتاؤں کہ انھوں نے دینِ حنیف کی تبلیغ و اشاعت، تشکیل و تدوین اور تفسیر و توضیح میں کیسے کیسے ہفتخواں طے کئے، اور ان تمام راستوں کو مسدود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی کہ جن سے دین اسلام کو خطرات لاحق ہونے کے اندیشے تھے بالخصوص فقہ اسلامی میں نمایاں کردار ادا کئے، فقہ اسلامی ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے امراضِ حیات کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور فقہ اسلامی ہی علاج حیات کا نسخۂ کیمیا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عثمان ابراہیم علی ابوبکر

تمہید

محمد بن حسن شیبانیؒ کے عہد کے سیاسی اور علمی حالات

"النبراس" میں مذکور ہے کہ جمعہ کے روز چودہ ربیع الآخر ۱۳۲ھ (۷۴۹ء) کو ابوالعباس السفاح نے خطبہ دیا[۱] اور منصور کو اپنا حاکم قرار دیا، منصور حد درجہ ثابت قدم تھے۔ عنان حکومت کو سنبھالنے سے قبل گردشِ روزگار نے انھیں مختلف آزمائشوں میں ڈالا۔ اور انقلابات زمانہ نے انھیں ہر طرح سے آزمایا۔ سخاوت و فیاضی ان کا شیوہ تھی۔ اسی لئے انھیں "اسمح الناس" کہا جاتا ہے، وہ ملکی انتظامات و انصرامات میں اپنی مثال آپ تھے اور لوگوں پر خونخوار شیر کے مانند حملہ کرتے تھے[۲]۔

منصور کے بعد مہدی آئے، جن کے ہاتھوں پر عوام نے ۱۵۸ھ میں بیعت کی وہ اپنے عہد کے بڑے صاحبِ فضل شمار کئے جاتے تھے۔ جب انھیں ایک ہزار دینار دیئے گئے تو اسے انھوں نے تقسیم کر دیئے۔ والد کی چھوڑی ہوئی تمام دولت کو لوگوں میں لٹا دیا۔ انھوں نے مظالم کا ازالہ کیا اور خیر کی راہوں پر پڑے ہوئے پردوں کو چاک کیا۔ قتل و غارتگری کا قلع قمع کیا، مظلومین کی دستگیری کی، علماء اور فضلاء کو اعزاز و اکرام عطا کئے اور ان کے ساتھ حلم و بردباری کے برتاؤ کئے[۳]۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے الہادی باللہ تخت نشین ہوئے لیکن ان کی حکومت صرف ایک سال تین ماہ رہی اور ۱۷۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا[۴]۔

---

[۱] النبراس فی خلفاء بنی العباس لعمر بن حسن المعروف بذی النسبین: ص ۱۹۔ [۲] ایضاً ۲۵

[۳] ایضاً: ص ۳۱۔ [۴] ایضاً: ص ۳۵۔

اس کے بعد زمام خلافت ہارون رشید باللہ کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے، ان کے عہد حکومت میں خلافت ان کی کرم فرمائیوں، ان کے عدل وانصاف اور ان کی انکساریوں سے وابستہ رہی، وہ اپنے ملک کے علماء کی زیارت کرتے۔ مثلاً مالک بن انس، سفیان بن عینیہ اور بے شمار دیگر علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پابندی سے ایک سال حج بیت اللہ کو جاتے اور دوسرے سال محاذ جنگ کے لئے کمر باندھتے۔ ہارون رشید کا تعلق اہل علم سے تھا، وہ ادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ شعر کہتے اور نہایت اچھے انداز میں اشعار پڑھتے[1]

۱۸۷ھ میں ہارون رشید نے برامکہ کو قتل کر دیا[2]

ہارون رشید کا ۸۰۹ھ میں خراسان کی اندر سرزمین طوس پر انتقال ہوا۔

اس کے بعد خلافت ہارون رشید کے بیٹے امین کے ہاتھوں منتقل ہوئی۔

لیکن بہت دنوں تک برقرار نہ رہ سکی، کیونکہ اسے قتل کر دیا گیا[3]

خلافتِ عباسیہ کے پہلے مرحلے (جو واثق باللہ کی خلافت تک جاتا ہے) میں ایک چیز جو واضح طور پر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں علم وفن کی خوب نشوونما ہوئی، اسی طرح خلافتِ عباسیہ کا سیاست میں بھی ایک خاص رنگ تھا، اس حیثیت سے یہ ممتاز ہے کہ اس عہد میں ایرانی تہذیب وتمدن کے کافی اثرات رہے۔ ایک حد تک حریت فکر کا بول بالا ہوا۔ ہر طرف معتزلہ کے افکار وخیالات کا چرچا رہا، زمانے کے انقلابات اور کروٹوں کے ساتھ ساتھ اس عہد کی شاعری اور نثر نگاری میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ یہ عہد اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ دفاتر کے تمام کام عربی زبان میں ہونا شروع ہو گئے نیز تمام سرکاری خط وکتابت عربی میں ہونے لگی۔ یعنی ایک اجنبی زبان کا خاتمہ ہوا اور عربی کا چال چلن ہوا۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ عہد ایسی خصوصیات کا حامل تھا کہ جس کے پہلے اور بعد کے عہدوں میں

---

[1] البراس: ص ۴۶۔ [2] ایضاً: ص ۴۴۔ [3] ایضاً: ص ۴۳۔

یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ اس طرح یہ امتیازات اس عہد کی ایک مستقل حیثیت کی ضمانت ہیں۔ اس لئے اس عہد کو پہلا سنہرا دور کہنا مناسب ہوگا[1] یہی وجہ ہے کہ آج تک دولتِ عباسیہ کی شان وشوکت اور اس کی تہذیب وثقافت کا جادو بول رہا ہے۔

سیاسی اعتبار سے خلافتِ عباسیہ سیادت وقیادت کی حامل تھی، احکام کو نافذ کرنے پر پوری طرح قادر تھی اور وسیع وعریض علاقوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس عہد میں بڑے مقتدر اور بااثر خلفاء گزرے ہیں۔ وہ پوری طرح اس بات پر قادر تھے کہ حکومت کی بنیادوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیں اور حکومتِ بیزنطینی کے انگریزوں کے حملوں کو ناکام بنا دیں[2]

علمی اعتبار سے بھی خلافت عباسیہ کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے چنانچہ ابوجعفر منصور کے زمانے میں دوسری زبانوں کے علوم کے منتقل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا۔ اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ بے شمار فارسی اور ہندی کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہوئے یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے علماء کی صلاحیتوں کا علوم عربیہ، علوم شرعیہ، زبان، تاریخ، فقہ، حدیث اور دیگر علوم میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اور ان علوم میں ان کی فوقیت کے مظاہر نظر آنے لگے۔ مذکورہ علوم کی تدوین میں بڑی برق رفتاری آئی[3]

خلافتِ عباسیہ میں عوام کو بھی ہر طرح کی سہولیات اور امن وسکون حاصل تھے[4]

---

[1] ضحی الاسلام: ۱/۵۔ [2] مختصر تاریخ العرب والاسلام: ۲/۷۔

[3] ایضاً: ۲/۱۲۔ [4] ایضاً: ۱۶/۲۔

پہلا باب

حیات — محمد بن حسن شیبانیؒ

۱۔ نام اور کنیت
۲۔ حسب ونسب
۳۔ نشوونما
۴۔ اخلاق وعادات
۵۔ علمی مقام
۶۔ جرح اور تعدیل میں آپ کا مقام
۷۔ منصب قضا پر فائز ہونا اور سلاطین کے متعلق آپ کا موقف

حیات — محمد بن حسن شیبانیؒ

۱۔ نام اور کنیت

نام: محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (قبیلۂ بنی شیبان کے آزاد کردہ غلام تھے[۱]) اور ایک قول کے مطابق محمد بن الحسن عبید اللہ بن مروان[۲]۔

کنیت: ابو عبد اللہ[۳]

---

[۱] مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ۔ الذہبی۔ ص ۵۰، بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد بن الحسن الشیبانی۔ کوثری۔ ص ۴، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ۔ جمیری۔ ص ۱۲۰۔ وفیات الاعیان لابن خلکان ۳/۳۲۴ طبقات الفقہا شیرازی۔ ص ۱۱۴، تاریخ بغداد۔ خطیب ۲/۱۷۲، الانتقاء۔ ابن عبد البر۔ ص ۱۷۴، مناقب الامام الاعظم۔ کردری ۲/۱۴۶، لسان المیزان۔ ابن حجر ۵/۱۲۱، البدایہ والنہایہ۔ ابن کثیر ۱۰/۲۰۲، النجوم الزاہرہ ابن تغری بردی ۲/۱۳۰، شذرات الذہب۔ ابن عباد ۱/۳۲۱، مراۃ الجنان۔ یافعی ۱/۴۲۲، الاعلام، الزرکلی ۶/۳۰۹، معجم المؤلفین ۹/۲۰۷، تاریخ التراث العربی۔ فواد سزکین ۲/۵۲۔

[۲] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ۔ الامام الذہبی ص ۵۰، بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد بن الحسن الشیبانی کوثری۔ ص ۴۔

[۳] تاریخ بغداد ۲/۱۷۲، مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ۔ ص ۵۰، بلوغ الامانی فی سیرۃ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۴، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ۔ ص ۱۲۰، طبقات الفقہاء۔ ص ۱۱۴، الانتقاء۔ ص ۱۷۴، وفیات الاعیان ۳/۳۲۴، مناقب الامام الاعظم ۲/۱۴۶ (باقی اگلے صفحہ پر)

۲۔حسب ونسب

عبدالقادر بن طاہر تمیمی بغدادی نے اپنی کتاب "التحصیل فی اصول الفقہ" میں آپ کا نسب "شیبانی" بتایا ہے۔ اور جلال الدین سیوطی نے اپنی "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب" میں اسی کو تسلیم کیا ہے۔ اور اہل علم کا غالب گمان یہ ہے کہ شیبانی نام کا ایک جزء ہے۔ نسب نہیں[1] ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوجعفر الطحاوی کا خیال ہے کہ آپ کا تعلق فلسطین کے ایک گاؤں "قرب الرملہ" سے ہے۔ یہاں سے منتقل ہو کر کوفہ چلے گئے۔ اور ابن سعد نے اپنی کتاب "الطبقات الکبریٰ" میں فرمایا ہے کہ محمد بن حسن کا تعلق "الجزیرہ" سے ہے۔ آپ کے والد شام کی فوج میں تھے پس وہ "واسط" آئے اور وہیں پر محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے[2]۔

۳۔نشوونما

۱۳۲ھ میں آپ پیدا ہوئے، یہ اطلاع ذہبی نے ایک ایسے شخص سے نقل کی ہے جس نے اسے متقدمین سے سنا ہے[3]۔ ابن عبدالبر[5] اور ابن خلکان[6] کے مطابق آپ ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے، لیکن یہ بالکل سہو پر مبنی ہے اور خطیب کے بقول محمد بن الحسن اصلاً دمشقی ہیں، آپ کا تعلق "غوطہ دمشق" کے مشہور گاؤں "حرستا" سے ہے۔ آپ کے والد عراق آئے اور محمد "واسط" میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں ان کی نشوونما ہوئی[7]۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) لسان المیزان ۵/۱۲۱، البدایۃ والنہایۃ ۱۰/۲۰۲، النجوم الزاہرہ ۲/۱۳۰، شذرات الذہب ۱/۳۲۱، مرآۃ الجنان ۱/۴۲۲، الاعلام ۶/۳۰۹، معجم المولفین ۹/۲۰۷، تاریخ التراث العربی ۲/۵۲

۱ تاریخ بغداد ۲/۱۷۲۔

۲ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۳۰

۳ بلوغ الامانی، ص ۵، تاریخ بغداد ۲/۱۷۲۔

۴ تاریخ بغداد ۲/۱۷۲

۵ الانتقاء، ص ۱۷۴۔

۶ وفیات ۴/۲۲۴ .

۷ تاریخ بغداد ۲/۱۷۲۔

غالباً یہ درست ہے کہ آپ کا اصل تعلق "الجزیرہ" سے ہے۔ جس کا تعلق بنی شیبان کی اس چراگاہ سے ہے جو "ربیعہ" کے علاقے میں واقع ہے۔ کچھ دنوں بعد آپ کے والد شام کی فوج میں داخل ہوئے اور وہاں وہ بہت مالدار ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا خاندان کبھی دمشق میں بمقام "حرستا" قیام کرتا اور کبھی فلسطین کے گاؤں میں سکونت اختیار کرتا۔ ان دونوں گاؤں کا تعلق شام سے ہے، اور وہیں سے کوفہ منتقل ہو گئے، عراق کے گاؤں "واسط" میں آپ کے والدین کے قیام کے دوران، والد کی بہترین کارکردگی کی بنا پر انھیں واسط کا گورنر بنا دیا گیا۔ وہیں محمد پیدا ہوئے اور پھر کوفہ لوٹ آئے، اور وہیں پروان چڑھے[1]۔ اور یہاں پر نہایت خوشحال زندگی بسر کی، کوفہ میں آپ کے والد کا گھر ساز وسامان سے بھرا ہوا تھا[2]۔

آپ کے خاندان کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا، صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔

۴۔اخلاق وعادات

محمد بن حسنؒ موٹے ضرور تھے، لیکن صاحب ذوق تھے، صحت مند اور قوی تھے، حد درجہ روشن خیال اور ذی فہم تھے، زبردست قوت حافظہ تھی، عالی النظر، وجیہہ اور صفاتِ حمیدہ کے مالک تھے[3]۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ میں نے محمد بن حسن جیسا موٹا اور ذوق لطیف رکھنے والا نہیں دیکھا، اتنا بڑا فصیح مجھے کوئی نہیں ملا۔ انھیں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتا تو محسوس ہوتا کہ قرآن انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور داؤد طائی فرماتے ہیں کہ محمد بن حسن نے بڑی شان وشوکت کی زندگی بسر کی[4]۔

---

۱ بلوغ الامانی، ص ۵۔

۲ ایضاً، ص ۵، تاریخ بغداد ۲/۱۷۲، وفیات الاعیان ۴/۲۲۴-۲۲۵۔

۳ ایضاً، ص ۵۔

۴ ایضاً، ص ۸۔

محمد بن حسن خوش مزاج تھے، آداب علم سے آراستہ تھے، اور مختلف مکاتب فکر سے استفادہ کیا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی مسئلہ کے متعلق کسی سے دریافت کیا تو اس نے اس مسئلہ میں محمد بن حسنؒ کا حوالہ ضرور پیش کیا۔[۱]

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے محمد بن حسنؒ سے بڑھ کر کسی عاقل، فقیہ، زاہد، پرہیزگار اور خطیب کو نہیں پایا۔[۲] امام ابو حفصؒ سے روایت ہے کہ محمدؒ کی طرف نظر اٹھانے والا ہر شخص ضرور یہ کہے گا کہ انھیں صرف علم کے لئے پیدا کیا گیا ہے[۳] اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حد درجہ صالح تھے، صاحبِ زبان، اچھے راستوں پر قائم رہنے والے، حد درجہ محبتی، صفات ستودہ کے مالک، مہذب اور غیر معمولی عقلمند تھے۔

۵۔ علمی مقام

کثرت روایت اور آراء کے سلسلہ میں محمد بن حسن کا بلند مرتبہ ہے۔ اور حرام و حلال کے علوم پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، آپ کے احباب آپ کو قدر کی نظروں سے دیکھتے۔[۴]

ذہبی کا خیال ہے کہ عراق میں ابو یوسفؒ کے بعد علم فقہ کے تمام حدود آپ پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں، مختلف ائمہ نے آپ سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور آپ صاحب تصانیف ہیں اور آپ کا شمار جید علماء میں ہوتا ہے[۵] امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا گیا کہ مشکل ترین مسائل کا علم آپ کو کہاں سے حاصل ہوا؟ تو انھوں نے کہا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے[۶] امام شافعیؒ رقم طراز ہیں کہ میں نے اپنی قسمت محمد بن حسن

۱۔ بلوغ الامانی، ص ۸۔
۲۔ ایضاً، ص ۸۔
۳۔ ایضاً، ص ۸۔
۴۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۱۲۰۔
۵۔ بلوغ الامانی، ص ۴، مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۰۔
۶۔ مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۴۔

سے بنائی ہے، میں ان سے مستقل "سماع" کرتا رہتا تھا۔[۱] وہ مزید لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن سے زیادہ قرآن کریم کا علم رکھنے والا کسی کو نہیں پایا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ قرآن انہی پر نازل ہوا ہے، یہ تمام چیزیں ان کی جلالت شان پر شہادت پیش کرتی ہیں۔

عیسٰی بن آبان کا قول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ابو یوسف بڑے فقیہ ہیں یا محمد؟ تو انھوں نے کہا کہ ان دونوں کی کتابوں سے نصیحت حاصل کرو یعنی محمد زیادہ بڑے فقیہ ہیں۔ محمد بن حسن جس وقت کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے وہ اس وقت بیس سال کے تھے۔[۲]

جرح اور تعدیل میں آپ کا مقام

حنبل بن اسحاق سے روایت ہے کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ ابو یوسف حدیث میں منصف تھے، ابو حنیفہ اور محمد بن حسن اثر کے مخالف تھے۔[۳]

اور دار قطنی نے کہا کہ میرے نزدیک مجھ سے بے نیازی ممکن نہیں ہے اور نسائی کا خیال ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے، امام شافعیؒ نے حدیث کے باب میں محمد بن حسن کو حجت قرار دیا ہے اور محمد بن حسن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی ذہین، حد درجہ عقل مند، بلند مرتبہ اور کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے۔[۴]

امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ کسی مسئلہ میں محمد بن حسن جیسی رائے میں نے کسی سے نہیں سنی۔[۵] یہ ان کے سلسلے میں محمد بن حسن کے متعلق ایک دوسری شہادت ہے کہ میں ان کی خدمت میں دس سال گزارے اور ان سے بیشمار باتیں سن کر واپس

۱۔ بلوغ الامانی، ص ۲۲۔
۲۔ مقدمۃ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔ لکھنوی، ص ۲۷۔
۳۔ مناقب امام ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۸۔
۴۔ بلوغ الامانی، ص ۵۰۔
۵۔ مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۹۔
۶۔ مناقب ابی حنیفہ ۲/۲۵۴۔

ہوا، اگر وہ اپنی سطح سے گفتگو کرتے تو وہ باتیں ہماری فہم سے بالاتر ہوتیں۔ لیکن وہ ہماری فہم کے مطابق گفتگو کرتے[1]۔ امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے اس مسئلہ کا جواب دیا تو اس آدمی نے کہا کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا آپ سے اختلاف ہے اس پر امام شافعیؒ نے کہا کہ کیا تم نے محمد کے علاوہ بھی کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟ یہ وہ شخصیت ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اور ہم نے مسائل کے باب میں اتنا ذہین شخص نہیں دیکھا[2]۔

محمد بن سماعہ سے مروی ہے کہ عیسٰی بن ابان بن صدقہ کاتب ہمارے ساتھ نماز ادا کرتے تھے اور میں انھیں اکثر محمد بن حسن کے یہاں آنے کے لئے آوازیں لگاتا۔ اور وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک دن نمازِ فجر ہمارے ساتھ ادا کی اور یہ دن محمد بن حسن کی مجلس کا تھا۔ میں نے عیسٰی بن ابان بن صدقۃ الکاتب کو مجلس میں بٹھالیا جب امام محمد بن حسن مجلس سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ یہ آپ کے بھتیجے ہیں، انھیں میں آپ کی خدمت میں بلاتا ہوں تو آنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ حدیث میں میری مخالفت کرتے ہیں تو محمد بن حسن نے کہا کہ تم ہمارے خلاف گواہی اس وقت تک مت دو حتٰی کہ اس حدیث کو محمد سے سن لو جس کے متعلق وہ لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے بعد عیسٰی نے ان سے پچیس حدیث کے متعلق سوالات پوچھے۔ تو انھوں نے ان احادیث کے متعلق وضاحت کی اور دلائل وشواہد دیتے ہوئے ان میں سے ناسخ اور منسوخ کی طرف بھی اشارہ کیا اور جب ہم اٹھے تو عیسٰی نے کہا کہ اب تک میرے اور روشنی کے مابین دیوار حائل تھی لیکن اب ختم ہوگئی، پھر وہ ان کے رخصت ہونے تک ان کے ساتھ ساتھ رہے[3]۔

---

[1] مناقب ابی حنیفہ ۱۵۵/۲۔

[2] مناقب ابی حنیفہ ۱۵۶/۲۔

[3] مناقب ابی حنیفہ ۱۵۷/۲۔

۷۔ منصب قضاء پر فائز ہونا اور سلاطین کے متعلق آپ کا موقف:

محمد بن سماعہ سے روایت ہے کہ چونکہ محمد بن حسن سلاطین سے ملے جلے رہتے تھے اسی لئے جب شہر "رقہ"[1] کے منصب قضا کے لئے کسی قاضی کے متعلق ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم) سے مشورہ لیا گیا تو انھوں نے کہا کہ اس کے لئے محمد بن حسن سے مناسب کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ لوگوں کو ضرورت ہو تو انھیں کوفہ سے بلالیں۔ محمد بن سماعہ نے کہا کہ لوگوں نے محمد بن حسن کے نام کی تجویز کو پسند کیا، چنانچہ آنے کے بعد ابو یوسف کے پاس گئے اور کہا کہ کیوں آپ نے میرا نام اس کے لئے تجویز کیا؟ تو انھوں نے کہا کہ "رقہ" کے قاضی کے متعلق لوگوں نے مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے آپ کا نام نامی پیش کیا۔ اور اس سے میرا ایک خاص مقصد یہ تھا کہ اب تک اللہ نے ہمارے اس علم کو کوفہ، بصرہ اور تمام مشرق کے علاقوں میں منتشر کیا اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ علم اللہ تعالیٰ آپ کے توسط سے اس علاقہ میں عام کرے۔ اور اس کے بعد تمام شامی علاقوں تک پہنچے۔ اس کے بعد محمد نے کہا کہ میرے دل میں اس کی عزت ہے، اگر اس رو سے مجھے نامزد کیا گیا ہے اس کے بعد ابو یوسف نے کہا کہ یہی ایک وجہ ہے کہ جس کی بنا پر لوگوں نے اس منصب کے لئے آپ کا نام پیش کیا۔ پھر انھوں نے سوار ہونے کو کہا۔ اس طرح دونوں حضرات یحیٰی بن خالد بن برمک کے پاس پہنچے اور ابو یوسف نے یحیٰی سے کہا کہ یہ محمد ہیں جس کی وجہ سے تمہاری شان وشوکت قائم ہے۔ اس طرح مستقل محمد بن حسن مضطرب رہے یہاں تک کہ رقہ کے منصب قضا پر انھیں بٹھا دیا گیا۔ ذہبی کا خیال ہے کہ یہی چیز ابو یوسف اور محمد بن حسن کے مابین فساد کا سبب بنی[2,3]۔ ان کے دور قضا کے باب میں طحاوی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ محمد بن سلامہ نے ہمیں

---

[1] رقہ ایک مشہور شہر ہے جو دریائے فرات کے مشرقی ساحل پر واقع ہے اور اس کے اور حران کے مابین تین دن کی مسافت ہے۔ اس کی مزید معلومات کے لئے دیکھئے: معجم البلدان ۵۸/۳-۵۹۔

[2,3] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ۔ الذہبی۔ ص ۵۵-۵۶۔

بتایا کہ میں نے محمد بن علی بن معبد سے سنا جنھوں نے اپنے والد سے سنا کہ میں "رقہ" آیا اس وقت وہاں کے قاضی محمد بن حسن تھے۔ میں ان کے دروازے پر کھڑا ہوا اور آنے کی اجازت مانگ کر ان سے میں چھپ گیا۔ اور بغیر ملے ہوئے وہاں سے واپس آگیا اور ایک مدت تک "رقہ" میں سکونت پذیر رہا لیکن ان کے پاس نہیں گیا۔ اسی اثنا ایک دن راستے میں میں نے دیکھا کہ ایک قاضی کے لباس میں وہ اپنی سواری پر سوار ہیں۔ مجھے دیکھ کر میرے پاس آئے اور مجھے سمجھانے لگے اور مجھے ایک شخص کے سپرد کیا کہ وہ مجھے ان کے گھر تک پہنچا دے۔ اپنے گھر میں بیٹھنے کے بعد انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے تم کو میرے پاس آنے سے باز رکھا جب کہ مجھے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تم یہیں ہو۔ میں نے کہا کہ آپ سے ملنے آیا تو تھا لیکن آپ سے چھپ گیا۔ یہ چیز انھیں بہت ناگوار گزری اور کہا کہ آخر کس نے تم کو چھپایا، یہ کہنے پر مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ شاید چھپانے والے کو سزا دینا چاہتے ہیں تو میں نے انھیں اس شخص کے متعلق نہیں بتایا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ جب تم نے ایسا کیا ہی نہیں ہے تو ان تمام لوگوں پر اعتماد کرتا ہوں اور اس کے بعد انھوں نے تمام لوگوں کو دعائیں دیں اور کہا کہ تمہارے متعلق ابو محمد کو میں باخبر نہیں کروں گا کہ تم نے مجھ سے حجاب کیا تھا اس کے بعد میں آپ کے پاس برابر آیا کرتا تھا یہاں تک کہ ان کے پردے کے پاس تک پہنچ جاتا اور گلا صاف کر کے سلام کرتا تو محمد بن حسن فرماتے کہ آؤ اندر آجاؤ۔[1]

مذکورہ بالا واقعے سے یہ واضح ہے کہ وہ متکبر نہیں تھے بلکہ وہ عوام کے ساتھ خوش مزاجی اور کشادہ دلی سے پیش آتے۔ اوپر جو حجاب کا ذکر ہے تو یہ ایک انتظامی معاملہ تھا جس کا سلسلہ اموی سے عباسی دور تک چلتا رہا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لوگ ججوں سے پردہ کیا کرتے تھے۔

محمد بن حسنؒ سلاطین اور با اثر لوگوں کے اثرات و رسوخ سے ہرگز خوف نہیں

---

[1] مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ، ص ۵۷۔

کھاتے تھے حکومت عباسیہ کے سنہرے دور اور ہارون الرشید کے عصر اقتدار میں محمدؒ کو دار القضاء اور دار الافتاء سے ایک طویل مدت کے لئے روک دیا گیا۔ ایسا اس لئے کیا گیا کہ انھوں نے طالبی کی پناہ کے مسئلہ میں اپنا واضح نقطۂ نظر پیش کیا تھا جو تاریخ ابن جریر طبری اور کتاب الصمیری میں مختلف اسناد کے مختلف طریقوں سے مذکور ہے۔ بطور مثال کتاب الصمیری سے یہ چیز نقل کی جا رہی ہے۔ ابو عبد اللہ نے کہا کہ عمر بن ابراہیم مقری نے ہمیں خبر دی کہ انھوں نے کہا کہ قاضی ابو بکر نے ہم سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے احمد بن عبید اللہ ثقفی نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے بکر بن محمد العمی نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے محمد بن سماعہ نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے محمد بن حسن کو کہتے ہوئے سنا کہ جب ہارون رشید "رقہ" آیا تو مجھے طلب کیا گیا اور میں اس کے پاس گیا وہاں حسن بن زیاد، ابو بختری وہب بن وہب (آپ ابو یوسف کے انتقال کے بعد قاضی القضاۃ تھے) موجود تھے، میرے سامنے وہ امان پیش کی گئی جسے یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن (بن حسین بن علی بن ابی طالبؓ) کے لئے لکھی گئی تھی، میں نے اسے پڑھنے کے بعد اللہ کے معاملے اور دارِ آخرت کو ترجیح دی اور بتایا کہ یہ ایک مؤکد اماں ہے، جس کے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے (ابن ابی العوام کی روایت طحاوی کے لفظوں میں اس طرح ہے، طالبی نہایت زور زور سے کہہ رہا تھا (اس کے سر پر گھنگھریالے بال تھے) اور ہاتھ میں تلوار تھی اور طالبی لوگوں کو یہ اطلاع دے رہا تھا کہ ہارون نے اسے امان عطا کی ہے) چنانچہ ہارون نے تحریری معاہدہ میرے ہاتھ سے لے کر حسن بن زیاد کے سپرد کیا اور انھوں نے اسے پڑھا اور نہایت پست آواز میں کہا کہ یہ امان ہے۔ ہارون نے ان کے ہاتھ سے بھی چھین کر ابو بختری کو دیا، انھوں نے اسے پڑھ کر بتایا کہ مجھے اس کی امید نہیں تھی اور میں ذاتی طور پر اس معاہدے سے خوش نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ ایک برا شخص ہے، یہی ہے جس نے عصا کو توڑ ڈالا، مسلمانوں کے خون بہائے اور یہ کیا، یہ کیا، اس لئے ایسے شخص کے لئے کوئی امان نہیں ہے۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ

اپنے موزہ تک لے گئے، اس صورت حال کا میں مشاہدہ کر رہا تھا، اتنے میں انھوں نے چاقو نکالا اور امان کے کاغذ کے دو حصے کر دیے اور اسے خادم کو سپرد کرنے کے بعد رشید کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں اسے (طالبی) قتل کر دوں گا اور اس کا خون میری گردن پر ہے (محمد بن حسن نے کہا کہ ہم لوگ مجلس سے چلے گئے تو رشید کا ایلچی میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ میں نہ تو کوئی فتوٰی دوں اور نہ ہی کوئی حکم صادر کروں (اور دوسری روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن ہروی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لئے فتوٰی دیں) میں اسی صورت حال سے گزر رہا تھا کہ میں ام جعفر کے پاس گیا، وہ دیکھ کر میری طرف متوجہ ہوئیں اور ان کے انداز سے مجھے معلوم ہوا کہ مجھے فتوٰی دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر انھوں نے ہارون رشید سے بات کی تو اس نے مجھے اجازت دیدی) محمد بن حسن نے کہا کہ ایک روز میں اور دیگر حضرات ہارون رشید کے گھر میں تھے۔ دریں اثنا مجھے ابوبختری پر حیرت ہوئی کہ وہ حاکم ہیں اور وہ ان چیزوں کا فتوٰی دیتے ہیں جن سے میں روکتا ہوں۔ اور ان کی گردن پر ایک مسلم شخص کا خون ہے، اس پر انھوں نے چاقو لے کر حملہ کیا تھا جو ان کے موزہ میں مخفی تھا۔ محمد بن حسن نے کہا کہ اس وقت رشید نے یحییٰ کو قتل نہیں کیا تھا، وہ خود ایک مدت کے بعد جیل میں انتقال کر گیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ رشید نے اسے قتل کیا تھا[1]

محمد بن سماعہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ اس واقعہ کے بعد رشید محمد بن حسن سے قریب ہو گئے اور ان سے مل کر انھیں قاضی القضاۃ بنا کر اپنے ساتھ "ری" لے گئے، جہاں پر ان کا انتقال ہوا۔[2] ابوبکر عمی نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس وقت محمد بن حسن نے صحت امان کا فتوٰی صادر کیا تو ابوبختری نے اس کے توڑنے کا اعلان کیا اور اپنے لئے اس کے خون کو جائز قرار دیا۔ تو یحییٰ بن عبداللہ طالبی نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ کے مفتی محمد بن حسن ہیں اور ان کا فقہ میں ایک خاص مقام ہے

---

[1] بلوغ الامانی، ص ۴۱، نیز دیکھیے مناقب الکردری ۲/۱۶۴ [2] ایضاً ص ۴۱۔

اور میری امان کے باب میں بھی ان کا موقف درست ہے۔ جب کہ ابوبختری آپ سے اسے توڑنے کے لئے کہتا ہے۔ اس شخص کے متعلق اور اس کے فتوٰی کے باب میں آپ کی کیا رائے ہے؟ جبکہ اس کے والد مدینہ میں طبل چی تھے۔[1]

اور صمیری نے بھی کہا کہ ابوبکر دامغانی نے ہمیں خبر دی، ابوجعفر طحاوی سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ابوعبداللہ احمد بن سہل رازی نے ہمیں یحییٰ بن عبداللہ بن حسن ابن حسن کی ایک حدیث کے حوالہ سے بتایا۔ انھوں نے موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن سے روایت کی۔ انھوں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سے روایت کی کہ انھوں نے کہا کہ میں موجود تھا اور ہارون الرشید اور محمد بن حسن کے تمام معاملات کا میں نے خود مشاہدہ کیا اور مزید یہ کیا کہ جب محمد بن حسن نکل رہے تھے تو زار و قطار رو رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ ابوعبداللہ کیا آپ سر کے زخم کی وجہ سے رو رہے ہیں؟ (ہارون رشید نے انھیں دوات سے مارا تو ان کے سر میں چوٹ آگئی، یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جب کہ انھوں نے مجلس میں ہارون رشید کی خواہش کے علی الرغم فتوٰی دیا۔ خون ان کے چہرے اور کپڑوں پر بہہ رہا تھا) اور ہارون نے ان سے کہا کہ اس کی وجہ سے یہ اقدام اور دیگر ایسے اقدامات ہمارے خلاف کیے جائیں گے اور تم اور تمہارے جیسے دیگر لوگ میرے خلاف علم بغاوت بلند کریں گے۔ تو محمد بن حسن نے کہا کہ بخدا اس کی وجہ سے میں نہیں رو رہا ہوں بلکہ مجھے اپنے ضعف و عجز پر رونا آرہا ہے۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ آخر وہ آپ کی کون سی مجبوری ہے؟ جب کہ آپ اس سطح ارض پر ایک ایسے بلند مقام پر کھڑے ہیں کہ جہاں تک کسی اور کی رسائی ممکن نہیں تو اس پر محمد بن حسن نے کہا کہ میرے لئے سزاوار تھا کہ جس وقت ابوبختری جو کچھ کہہ رہا تھا اس وقت کاش کہ اس سے میں پوچھتا کہ یہ تم کہاں سے

---

[1] بلوغ الامانی، ص ۴۱، نیز دیکھیے: مناقب الکردری ۲/۱۶۴۔

کھڑے ہو؟ یہاں تک کہ دلائل کی روشنی میں اس کے فتوٰی کے فساد کو واضح کرتا۔[1]

ابن ابوالعوام کی سند میں محمد سماعہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہارون نے محمد بن حسن کی کتابوں کا جائزہ لینے کے لئے کہا۔ اس خوف سے کہ ان میں کوئی ایسا مواد تو نہیں جو طلبہ کو بغاوت پر آمادہ کر دے، تو محمد نے مجھے کہا کہ اے ابوعبداللہ (یعنی ابن سماعہ ان کے ساتھ اس کام میں مصروف تھے) صرف اللہ ہی معاملہ میں کافی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے گھر پر میری کتابوں کی حفاظت کے لئے آؤ تاکہ ان میں ایسی کتابوں کو نہ ڈال دیا جائے جو ان میں شامل نہیں تھیں۔ چنانچہ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور جب میری کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد اس میں کچھ نہیں ملا بجز ایک مجموعہ کے جو حضرت علیؓ کے فضائل پر مبنی تھا۔ اسے ہارون رشید لے کر آئے اور کہا کہ ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ ہے۔[2] طحاوی نے کہا کہ میں نے بکار بن قتیبہ کو سنا کہ وہ اسے بلال بن یحیٰی سے بیان کر رہے تھے اور وہ محمد بن حسن سے اور انھوں نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ ہارون محمد بن حسن کی جانب متوجہ ہوا اور کہا کہ یہ وہ امان ہے جسے میں نے خود نہیں لکھا ہے بلکہ کسی سے لکھوایا، تو تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟ جس نے خود تو نہیں لکھا بلکہ حکم دے کر دوسرے سے لکھوایا ہو، یہ سننے کے بعد محمد نے کہا کہ اگرچہ یہ چیز ایک عام شخص کی جانب سے آئی ہے لیکن وہ باطل میں شریک نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے اپنی مرضی سے انجام نہیں دیا ہے۔ اور اگر بادشاہ ہے تو وہ باطل میں شریک تصور کیا جائے گا کیونکہ بادشاہ کا ہر فرمان اس کے حکم ہی سے صادر ہوتا ہے۔ یہ سننے کے بعد ہارون رشید غیظ و غضب میں بھر گیا اور جو کچھ اس کا بس چلا وہ اس نے کیا۔[3]

محمد بن حسن جب دوبارہ منصب قضا پر جلوہ افروز ہوئے تو امام جعفری کوشش

---

[1] بلوغ الامانی ص ۴۱، مناقب الکردری ۲/۱۴۴۔ [2] ایضاً: ۲/۱۴۴، بلوغ الامانی ص ۴۲

[3] بلوغ الامانی ص ۴۴، مناقب الکردری ۲/۱۴۶۔

سے ان کے اور ہارون رشید کے مابین موجودہ تمام اختلافات رفع ہو گئے اور وہ بادشاہ اور امیر کے اثرات کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے اور ان سے قربت کے باوجود اپنے زہد و تقوٰی کے محافظ بنے رہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کے راستے تملق کو کبھی قریب نہ آنے دیا۔ یہ ایک دوسرا واقعہ جس سے میری باتوں میں مزید وزن پیدا ہوتا ہے۔ جسے میں نے کتب التراجم سے نقل کیا ہے۔ "طحاوی سے مروی ہے کہ انھوں نے ابوخازم سے، انھوں نے بکر بن محمد عمی سے، انھوں نے محمد بن سماعہ سے روایت کیا کہ انھوں نے بتایا کہ ہم محمد بن حسن کے ساتھ ہارون الرشید کے گھر میں تھے، اسی دوران ہارون رشید ہم لوگوں کے پاس آیا، تو تمام لوگ اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے بجز محمد بن حسن کے کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے، ہارون رشید ان کی طرف دیکھنے لگا، چنانچہ جب وہ داخل ہوا تو تمام لوگوں کے ماسوا انھیں اس نے حکم دیا، تو میں نے (محمد بن سماعہ) اپنے دل میں کہا کہ وہ تمام لوگوں کو یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے تاکہ ان کے کھڑے نہ ہونے پر انھیں سزا دے سکے۔ جب ہارون رشید کے پاس سے محمد بن حسن واپس آئے، تو میں بھی ان کے ساتھ ان کے گھر تک گیا اور ان کی خیریت دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ جب میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں بنی تغلب کے جنگجو گروہ کو قتل کرنا چاہتا ہوں اور ان کے تمام لوگوں کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں میں نے اس سے دریافت کیا کہ امیرالمومنین! آخر ایسا آپ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ جب کہ عمر بن الخطابؓ نے اسی صورت میں ان سے کچھ شرائط پر مصالحت کر لی تھی تب اس نے مجھ سے کہا کہ عمرؓ نے ان سے صرف اس بنا پر صلح کی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو بپتسمہ میں نہیں رنگیں گے لیکن انھوں نے اپنے بچوں کو رنگا جس کی وجہ سے وہ اس امان سے نکل گئے تو میں نے اس سے کہا کہ اپنے بچوں کو بپتسمہ میں رنگنے کے بعد بھی عمرؓ نے انھیں امان دی، تو اس نے یہ دلیل دی کہ عمرؓ نے ان کو پناہ بغیر کسی شرط کے دی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے یہ کہا کہ عمرؓ نے ان سے جنگ کا ارادہ صرف اس لئے ترک کر دیا تھا کہ ان کی مدت بہت تھوڑی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مدت ضرور تھوڑی

تھی لیکن آپ کے بعد دو عادل امام آئے جن کی مدت حکومت بہت طویل رہی چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے ان پر کبھی چڑھائی نہیں کی۔ اس پر اس نے یہ دلیل دی کہ ان دونوں حضرات نے بغیر کسی شرط کے ان سے صلح کی تھی اور اس کے بعد مجھ سے اس لئے کہا کہ یہاں سے نکل جاؤ"[1]

ابن عطیہ کے طریقے صیمری نے اپنی روایات میں کچھ اضافہ کیا ہے۔ ہارون رشید نے مجھ سے پوچھا کہ تم کو آخر کیا ہوا کہ تم لوگوں کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے؟ میں نے کہا کہ مجھے یہ چیز ناگوار گزرتی ہے کہ میں اس طبقے سے باہر نکل آؤں جس میں تم نے مجھے شامل کیا ہے۔ اصلاً تم مجھے اہل علم میں شمار کرتے ہو، اس لئے یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ اس طبقے سے نکل کر خدام کے طبقہ میں شامل ہو جاؤں جو اہلِ علم میں شامل نہیں ہیں۔ تمہارے چچازاد بھائی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ "جو یہ چاہے کہ لوگ اطاعت میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے گا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء سے یہی چاہا لیکن اگر کوئی شخص حق کی خدمت اور اس بادشاہ کے اعزاز کے لئے کھڑا ہوتا ہے جو دشمن کے لئے خطرناک ہے تو کوئی حرج نہیں اور جو صرف سنت کی اتباع میں بیٹھا رہا تو یہ ان کے لئے باعثِ زیب و آرائش ہے۔ اس پر ہارون رشید نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا[1]

مذکورہ تمام باتوں سے راہِ حق پر ان کی استقامت اور استقلال کا اندازہ ہوتا ہے، مسلمین اور نصاریٰ سے ان کا برابر کا تعلق رہا، باطل کا پردہ فاش کرنے میں ان کا موقف بالکل نمایاں ہوتا، باطل کے راستے میں کوئی دشوار ترین منزل آتی تو اس میں کسی نرمی اور مداہنت کا ثبوت نہ دیتے، علم اور دین کی خدمت کے لئے ان کے اندر بہت سچا جذبہ تھا۔

---

[1] بلوغ الاماني، ص ۴۲-۴۳۔

دوسرا باب

محمد بن حسن شیبانیؒ ــــ علمی پہلو

۱۔ شیوخ
۲۔ تلامذہ
۳۔ وفات

محمد بن حسن شیبانیؒ ــ علمی پہلو

۱۔ شیوخ

محمد بن حسن نے بے شمار اساتذہ سے فقہ، حدیث، زبان، اور سیر کی تعلیم حاصل کی۔ سب سے پہلے انھوں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ عربی زبان اور روایت کے دروس میں حاضر ہونے لگے۔ اس وقت کوفہ علوم عربیہ کا گہوارہ تھا اور حدیث و فقہ کا مرکز تھا۔[1] حصولِ علم کے لئے انھوں نے بہت روپے خرچ کئے اور غیر معمولی جفاکشی سے کام لیا۔ اور حصولِ علم کے لئے کافی وقت صرف کیا۔ محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تیس ہزار درہم چھوڑا تھا۔ جس میں سے پندرہ ہزار میں نے حصول نحو اور شعر میں خرچ کئے اور پندرہ ہزار حدیث اور فقہ پر لگا دیئے۔ انھوں نے خود کو علم کے لئے بالکل وقف کر دیا تھا۔ ابن سماعہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اہل و عیال سے کہا کہ تم لوگ مجھ سے دنیاوی ضروریات کے متعلق سوالات مت کیا کرو۔ کیونکہ تم لوگوں نے مجھے الجھا کر رکھ دیا ہے اور اپنی ضروریات کو میرے وکیل سے حاصل کیا کرو۔ کیونکہ اس نے مجھے دنیا سے بے نیاز کر دیا ہے اور اسی نے میری بسیار خوری کو کم کر دیا ہے۔[2]

جس شخص کا علم سے اتنا گہرا لگاؤ ہو تو ضروری ہے کہ اس کی علمی کاوشیں رنگ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے علم سے استفادے کے مواقع عنایت کئے۔ آمین

---

[1] بلوغ الامانی۔ ص ۵، مناقب ابو حنیفہ و صاحبیہ۔ ص ۵۱

[2] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ۔ ص ۱۲۴، مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ۔ ص ۵۴۔ ۵۵، البلوغ ص ۷۔

فقہ کے شیوخ

آپ جب چودہ سال کے ہوئے تو ابو حنیفہ کی مجلس میں حاضر ہوتے۔[1] اور اللہ تعالیٰ نے انھیں تفقہ فی الدین کا شیدائی بنا دیا اور اس کے بعد قرآن کریم حفظ کیا۔ حصولِ علم کے لئے انھوں نے ابو حنیفہ کے حلقۂ درس سے خود کو وابستہ کر لیا۔[2] چار سال تک نہایت

---

[1] بلوغ الامانی۔ ص ۵

[2] ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطہ۔ وہ تقریباً ۸۰ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا زوطہ غلامی کی حالت میں فارس سے کوفہ آئے۔ اور ان کے مالک نے ان کو آزاد کیا۔ ان کا تعلق تیم اللہ قبیلہ سے تھا۔ ان کے والد کا نام ثابت تھا۔ وہ آزاد کی حیثیت سے اس قبیلہ میں پیدا ہوئے۔ ابو حنیفہ کو بے شمار تابعین سے سماع حدیث کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور کوفہ میں ان سے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع ملے۔ اور غالب گمان یہ ہے کہ انھوں نے بعض صحابہ کی بھی زیارت کی لیکن ان سے روایت نہیں کی۔ ان کے شیوخ میں ابو عمر الشعبی (ت ۱۰۴ھ) اور عطاء بن ابی رباح (ت ۱۱۴ھ) حماد بن ابی سلیمان (ت ۱۲۰ھ) کے نام لئے جاتے ہیں۔ حماد کا ان کی فقہی بصیرت پر نہایت گہرا اثر رہا۔ انھوں نے ان کی خدمت میں تقریباً بارہ سال گزارے۔ اور ان کے متعلق روایت کرتے ہوئے بتایا کہ شیخ حماد بصرہ کی طرف گامزن تھے کہ میں اثناء سفر میں ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوا اور واپس آنے کے بعد انھوں نے اعلان کیا کہ ساٹھ سوالات کے جوابات میں سے میں نے بیس کے جوابات غلط دیئے تھے۔ اسی لئے انھوں نے اپنے لئے یہ لازم کر لیا کہ اب وہ صرف حماد کے حلقۂ درس میں بیٹھیں گے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد انھوں نے کوئی درس نہیں دیا۔ ان کے حلقۂ درس میں ان کے تلامذہ محمد بن حسن شیبانی، زفر اور ابو یوسف حاضر ہوتے۔ اور ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے بہت سے خیالات میں مرجئی نظر آتے ہیں۔ وہ تجارت میں مصروف ہو گئے، انھیں منصب قضا پر بیٹھنے کے لئے مجبور کیا گیا لیکن ہر بار وہ انکار ہی کرتے رہے بغداد میں انھیں قید کر دیا گیا۔ ان کی چند مشہور کتابیں الفقہ الاکبر، المسند، کتاب العلم والمتعلم۔ ۱۵۰ھ میں وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

پابندی کے ساتھ ان کے درس میں حاضر ہوتے رہے اور ان کے انتقال کے بعد وہ فقہ کی تعلیم کی تکمیل کے لئے امام یوسف کی صحبت میں حاضر ہوتے۔[1] اور کچھ دنوں کے بعد

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) ان کی حیات وخدمات کے لئے مزید دیکھئے: (۱) مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ (۲) مناقب ابی حنیفہ (۳) تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ للسیوطی (۴) ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ وآراءہ لمحمد ابوزہرہ (۵) تاریخ التراث العربی لفواد سزگین ۲/۱/۳۱-۴۰ (۶) الفہرست ص ۲۹۸ (۷) طبقات الفقہاء للشیرازی، ص ۶۷-۶۸ (۸) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص ۵-۴۰۰ (۹) تاریخ بغداد، ۲/۳۲۲-۴۵۴ (۱۰) وفیات الاعیان ۵/۳۹-۴۷ (۱۱) اللباب فی تہذیب الانساب لابن الاثیر ۱/۳۲۵ (۱۲) الجواہر المضیئہ للقرشی ۱/۲۶-۳۲ (۱۳) تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۶۶-۱۶۹ (۱۴) مرآۃ الجنان للیافعی ۱/۳۰۹-۳۱۲۔

بلوغ الامانی، ص ۶۔ ابویوسف: یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الکوفی کا تعلق صحابی سعد بن حبتہ کے خاندان سے ہے۔ وہ ۱۱۳ھ میں بمقام کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ہشام بن عروہ، ابواسحاق شیبانی، سلیمان التیمی اور محمد بن اسحاق سے تعلیم حاصل کی۔ فقہ میں ان کے شیوخ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی اور ابوحنیفہ ہیں اور کچھ دنوں کے بعد ان کا انحصار صرف ابوحنیفہ ہی پر رہا اور اپنی تمام تر کوششیں حصولِ فقہ میں صرف کردیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے خاندان کے لوگ اپنے فقر وافلاس کی داستان کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ہم فاقہ کر رہے ہیں۔ اسی بنا پر ابوحنیفہ نے ان کے لئے راشن کا انتظام کیا کہ جس پر ان کا گزر اوقات ہو سکے۔ ایسا صرف انھوں نے اپنی شاگرد کی خداداد صلاحیت کو دیکھتے ہوئے کیا تھا۔ ابویوسف بغداد کے منصب قضاء پر فائز ہوئے۔ یہ خلیفہ ہادی کا عہد تھا جس کی حکومت ۱۶۹ھ میں رہی۔ وہ لوگوں کے مابین نہایت عدل ومہارت کے ساتھ فیصلہ دیتے رہے، یہاں تک کہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھیں "قاضی القضاۃ" کے لقب سے نوازا گیا۔ فقہ میں ان کی آراء کو قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور فقہ کے میدان میں ان کی اور ان کے استاذ کی آراء میں بین فرق (باقی اگلے صفحہ پر)

ان کی اپنی ایک حیثیت ہوگئی اور وہ اپنے استاذ سے آگے نکل گئے۔[1] چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ دونوں کا محمد بن حسن کی فقہی بصیرت کے ارتقاء میں غیر معمولی حصہ ہے۔ تمام کتب تراجم میں ان کی فقہ کی تعلیم کے لئے صرف انہی دونوں شیوخ کے علاوہ کسی اور کا نام مذکور نہیں ہے۔

حدیث کے شیوخ

حدیث کے باب میں ان کے اہم شیوخ کا ذکر مقالات کے نقطۂ نظر سے ذکر کیا جائے گا۔

کوفہ[2]

ابوحنیفہ النعمان بن ثابت، اسماعیل بن ابی خالد احمسی، سفیان بن سعید ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، قیس بن ربیع، عمر بن ذر، بکیر بن عامر، ابوبکر نہشلی عبداللہ بن قطاف، محل بن محرز الضبی، ابوکدینہ یحیی بن مہلب بجلی، عبدالرحمن بن عبداللہ بن عتبہ المسعودی، اسرائیل بن یونس، بدر بن عثمان، ابوالاحوص سلام بن سلیم، سلام بن سلیمان، معاویہ الضریر محمد

(بقیہ صفحہ گذشتہ) فرق محسوس کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ان کا ایک نمایاں مقام ہے۔ ان کی تصانیف کی تعداد چالیس ہیں لیکن اکثر ضائع ہوگئیں۔ ان کی اہم تالیفات اس طرح ہیں (۱) کتاب الخراج (۲) کتاب المخارج فی الحیل (۳) کتاب الآثار وغیرہ۔ ان کا ۱۸۲ھ میں انتقال ہوگیا۔ انکی حیات وخدمات کے لئے ملاحظہ کریں (۱) مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۳۷-۴۸ (۲) ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح لعبدالحلیم الجندی، ص ۸۵-۱۰۱ (۳) اخبار القضاۃ لوکیع ۳/۲۵۴-۲۶۴ (۴) الفہرست، ص ۳۰۰ (۵) تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۲-۲۶۲ (۶) وفیات الاعیان ۵/۴۲۱-۴۳۲ (۷) میزان الاعتدال للذہبی ۴/۴۱۱ (۸) تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۲۹۲-۲۹۴ (۹) البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱/۱۸۰-۱۸۲ (۱۰) مرآۃ الجنان للیافعی ۱/۳۸۲-۳۸۸ (۱۱) تاریخ التراث العربی ۲/۴۹-۵۲ (۱۲) بلوغ الامانی ص ۶ (۱۳) الجواہر المضیئۃ ۱/۲۲۰-۲۲۲۔

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۰۔ [2] بلوغ الامانی، ص ۸۔

بن خازم، زفر بن ہذیل، اسماعیل بن ابراہیم بجلی، فضیل بن زغزوان، حسن بن عمارہ، یونس بن ابی اسحاق سبیعی، عبدالجبار بن العباس ہمدانی، محمد بن آبان صالح القرشی، سعید بن عبید الطائی، ابو قروہ عروہ بن حارث ہمدانی اور ابو زہیر العلاء بن زہیر[1]

مدینہ

مالک بن انس: ابو عامر حجاز کے زبردست فقیہ تھے، اور مدینہ میں اپنے وقت کے جید عالم شمار کیے جاتے۔ شمس الدین الذہبی کے مطابق فقیہ امت تھے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے حدیثیں روایت کیں[2] انھوں نے کبھی فتویٰ نہیں دیا۔ جب کہ جید ستر علماء نے یہ شہادت دی کہ وہ فتویٰ دینے کے اہل ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ شہر رسولؐ میں عزت کے ساتھ بسر کیا۔ اور ۱۷۹ھ میں خلیفہ ہارون رشید کے دور میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی حدیث اور فقہ میں زبردست صلاحیت کا ذکر امام شافعیؒ نے ان لفظوں میں کیا ہے کہ علماء کا ذکر چھڑتا تو مالک ان میں ستارہ کے مانند نظر آتے۔ اور کوئی مجھے ایسا نظر نہیں آتا جس نے مالک کو چھوڑ کر مجھ پر اعتماد کیا ہو[3] چنانچہ مشرق و مغرب کے متعدد علماء نے ان سے استفادہ کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سب سے اہم نام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام شافعی کا لیا جاتا ہے[4]

امام مالکؒ کے یہاں سفر کر کے جانا اور انہی کی زبانی موطا کی سماعت

جس وقت محمد بن حسن نے موطا کا مطالعہ شروع کیا تو عہد مہدی کے اوائل ہی میں ان کی شہرت عام ہو گئی۔ امام مالک کے پاس جانے کے بعد انھوں نے تین سال قیام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹۳، الفہرست، ص ۲۸۱، مفتاح السعادۃ ۲/۸۴۔

[2] الفقہ الاسلامی مدخل لدراسۃ نظام المعاملات فیہ۔ محمد یوسف موسیٰ، ص ۱۴۳۔

[3] مفتاح السعادۃ ۲/۸۶۔ [4] بلوغ الامانی، ص ۱۰۔

کیا۔ منجملہ جو سند احادیث انھوں نے امام مالک سے سنی ان کی تعداد تقریباً سات سو تک پہنچتی ہے، اس کی صحت کی تصدیق انہی سے روایت کردہ مختلف طرق سے ہوتی ہے۔ اس سفر کی داستان مدینہ کے تمام شیوخ سے سنی گئی، جن کا عنقریب ذکر آئے گا اور ان شیوخ سے گذشتہ اسفار میں جو سماع حدیث میں اضافے ہوئے اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا[1]

موطا کی تقریباً بائیس روایات ایسی ہیں جس کی زیادتی اور کمی کے باب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف دار قطنی نے اپنے اس جزء میں اشارہ کیا ہے جو مختلف موطوں کے اختلاف اور اتفاق پر مبنی ہیں[2] محمد بن حسن کی روایت کردہ موطا بہترین موطات میں داخل ہے۔ لیکن اسلوب کے لحاظ سے ارجح نہیں ہے کیونکہ انھوں نے تین سال کی مدت میں نہایت سست رفتاری کے ساتھ اس کی سماعت امام مالک کے الفاظ میں کی۔ ابوابِ احادیث کے ذکر کرنے کے بعد وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان میں سے کن احادیث کو عراقی فقہاء نے لیا ہے اور کن کی مخالفت کی ہے اور جن احادیث کی مخالفت کی گئی ہے وہ انھیں نہایت سنجیدگی سے پڑھتے اور ان پر غور کرتے کہ مخالفت کے اسباب کیا ہیں؟ محمد بن حسن موطا کی سماعت کے بعد یہ دیکھتے تھے کہ کیا ان کی آراء میں کوئی ایسی چیز ہے جو کہ قابلِ قبول نہ ہو۔ انھوں نے "کتاب الحجج" تالیف کی جو اہلِ مدینہ کے خلاف دلائل کی حیثیت سے مشہور ہے[3]

امام محمد بن حسن اور مذہب حنفی کی مخالفت و عداوت میں ان کے مخالفین و متعصبین نے بہت سے ناگوار قصے وضع کئے۔ جن کا بالعموم علماء کرام کی زندگیوں اور بالخصوص امام مالک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو در گزر کرنے والا ہے[4]

---

[1] بلوغ الامانی: ص ۱۰۔ [2] ایضاً: ص ۱۱

[3] ایضاً: ص ۱۳ [4] ان خیالی واقعات اور امام مالک پر طعنہ و تشنیع کے لئے دیکھئے: بلوغ الامانی ص ۱۱-۱۴۔

دیگر شیوخ

ابراہیم بن یحییٰ، عبید اللہ بن عمر بن سلیمان، محمد بن ہلال، الضحاک بن عثمان، اسماعیل بن رافع، عطاف بن خالد، اسحاق بن حازم، ہشام بن سعد، اسامہ بن زید اللیثی، داؤد بن قیس الفرا، عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الخیاط، عبد الرحمٰن بن ابی الزناد، محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئب، اور خثیم بن عراک [1]

مکہ

سفیان بن عینیہ الکوفی نزیل مکہ، اسماعیل بن عبد الملک، طلحہ بن عمرو، سیف بن سلیمان، ابراہیم بن یزید الاموی، زکریا بن اسحاق اور عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن یعلی الثقفی الطائفی [2]

بصرہ

ابوالعوام عبد العزیز بن الربیع البصری، ہشام بن ابی عبد اللہ، الربیع بن صبیح، ابو حرۃ واصل بن عبد الرحمٰن، سعید بن ابی عروبہ، اسماعیل بن ابراہیم البصری، اور المبارک بن فضالہ۔

واسط

عباد بن العوام، شعبہ بن الحجاج اور ابو مالک عبد الملک النخعی [3]۔

شام

ابو عمرو عبد الرحمٰن الاوزاعی، محمد بن راشد المکحولی، اسماعیل بن عیاش الحمصی، ثور بن یزید الدمشقی [4]۔

خراسان

عبد اللہ بن المبارک [5]۔

یمامہ

ایوب بن عتبہ التیمی [6]۔

---

[1] بلوغ الامانی، ص ۸۔ [2] بلوغ الامانی ص ۸ [3] ایضاً: ص ۸

[4] ایضاً: ص ۸ [5] ایضاً: ص ۸ [6] ایضاً: ص ۸

مذکورہ بالا شیوخ کے علاوہ بھی کچھ اور لوگوں سے انھوں نے روایت کی، انھوں نے اپنے معاصرین اور دیگر لوگوں سے بھی روایت کرنے میں کسی بے رغبتی کا اظہار نہیں کیا۔ سچ پوچھیے تو یہ عظیم لوگوں کی شناخت ہے جو اپنے چھوٹوں سے روایت کرنے میں کسی کمتری کا احساس نہیں کرتے [1]

عربی زبان کا علم انھوں نے کسائی سے حاصل کیا اور کسائی نے اسی طرح ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی [2]

فن سیرت کے لئے انھوں نے ابو حفص کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، واقدی محمد بن عمر برابر محمد بن حسن کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ اور ان سے مغازی کا علم حاصل کیا کرتے تھے اور وہ واقدی سے "الجامع الصغیر" پڑھا کرتے تھے [3]

تلامذہ اور استفادہ کرنے والے احباب

دنیا کے گوشے گوشے میں محمد بن حسن کی شہرت عام ہو گئی تھی اور مختلف جگہوں سے آکر لوگ آپ کی تصانیف کو حاصل کرتے، دور دراز شہروں سے لوگ چل کر آپ کی خدمت میں فقہ کی تعلیم کے لئے حاضر ہوتے، آپ اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ مستقل اپنا سلسلہ امام ابوحنیفہ سے منسوب کرتے، تاکہ میدانِ فقہ میں ان کی عظمت کا ادراک کر سکیں، وہ اس کا اظہار بار بار نہیں کرتے تھے مگر ایسا شخص جو کہ ان کے مراتب سے واقف نہ ہو اس کے سامنے ضرور متعدد بار اس کی وضاحت کرتے کہ میرا تعلق امام اعظم سے ہے۔

سچ پوچھیے تو ان کے تلامذہ کا استقصار ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر ہم ان کے تلامذہ اور ان کے ان رفقاء کا ذکر کریں گے جنھوں نے ان سے استفادہ کیا۔

---

[1] بلوغ الامانی: ص ۸۔ [2] مناقب الکردری ۱۵۲/۲۔

[3] ایضاً: ۱۵۱/۲

ابوحفص الکبیر البخاری احمد بن حفص العجلی، یہ وہ ہیں جس سے بخاری نے اپنے اسفار سے قبل اہل الرائی اور جامع الشوری کی فقہ بھی پڑھی۔

ابوسلیمان موسی بن سلیمان الجورجانی، یہ وہ ہیں جن کے توسط سے پورے مشرق و مغرب میں "صحاح ستہ" عام ہوئی[1]

ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی[2] جنھوں نے محمد بن حسن سے درس حاصل کئے اس میں کسی دو کا بھی اختلاف نہیں ہے، انھوں نے پورے طور سے ان کی صحبت اختیار کی اور اپنی تصانیف کو ضائع کردیا۔ اور اس پر ساٹھ دینار صرف کئے، انھوں نے محمد بن حسن سے بے پناہ چیزیں نقل کیں، اور سوائے ان سے سننے کے اور کوئی کام نہیں کرتے۔ محمد بن حسن کے یہاں علم اور مال دونوں کی کثرت تھی۔ ذہبی نے اپنی "التاریخ الکبیر" میں ذکر کیا ہے کہ ابوعلی الصواف نے کہا کہ مجھ سے محمد بن حسن نے بیان کیا کہ میں نے ابوعبیدہ سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے شافعی کو محمد بن حسن کے پاس دیکھا کہ انھوں نے امام شافعی

---

[1] بلوغ الامانی: ص ۹۔

[2] امام شافعی چار ائمہ میں سے ایک ہیں، ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور مکہ میں مسلم بن خالد الزنجی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مدینہ کا سفر کیا، وہ اس وقت چودہ سال کے تھے۔ انھوں نے موطا کو امام مالکؒ کے سامنے پیش کیا اور ابراہیم بن محمد ابی یحیی الاسلمی سے سنا۔ اس کے بعد مکہ گئے اور وہاں ابن عیینہ سے سماع کیا اور اس کے بعد بعض گورنروں کے یہاں کام کی غرض سے یمن گئے کیونکہ اس وقت وہ بہت تنگی سے گزر رہے تھے، یمن میں مستقل کاموں میں جٹے رہے لیکن علم سے بے پروانہ ہوئے۔ اس کے بعد ان پر طرفدار علوی کی تہمت رچی گئی جس کی بنا پر وہ ۱۹۲ھ میں عراق میں آگئے اور جب یہ تہمت ان پر سے ختم ہوگئی تو انھوں نے فقہ کی تعلیم دینا شروع کردی۔ اور وہ اس وقت محمد بن حسن کے پاس تھے (بلوغ الامانی: ص ۲۰۔ تاریخ التراث العربی۔ ۲/۱۶۵-۱۶۶۔ طبقات الفقہاء للشیرازی۔ ص ۴۸-۵۰، الانتقاء۔ ص ۶۵-۱۲۱، طبقات الشافعیہ لابن ہدایہ، ص

کو پچاس دینار عطا کئے۔ اور اس سے قبل انھیں پچاس درہم پیش کئے اور ابوعلی الصواف نے مزید یہ کہا کہ علم کے متلاشی محمد بن حسن کی صحبت کو اختیار کرنا چاہتے ہیں عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں نے شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹنی کے بھاری بوجھ کے برابر نقل کیا اور جب میں نے انھیں علم حدیث کا تحفہ عطا کیا تو انھوں نے کہا کہ کسی سے کچھ طلب مت کرنا تو اس پر انھوں نے کہا کہ جب آپ کی صحبت مجھے حاصل ہے تو کسی اور سے کچھ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے اور آپ نے کبھی اپنے احسان کو جتایا نہیں محمد بن حسن کا اپنے تلامذہ کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا[1]

امام شافعی فرما رہے تھے کہ لوگ میری اس فقہ کے قائل تھے جو میں نے محمد بن حسن سے حاصل کی تھی۔ اور وہ یہ بھی فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو لوگوں کے ذریعہ میری مدد کی۔ حدیث میں ابن عیینہ کے ذریعہ اور فقہ میں محمد بن حسن کے ذریعہ۔

امام شافعیؒ مزید محمد بن حسن کے متعلق یہ کہا کرتے تھے کہ میرے اوپر علم اور اسباب دنیا کے سلسلے میں جس قدر احسان محمد بن حسن کا ہے اتنا دنیا میں کسی اور کا نہیں، بیشتر اوقات وہ ان کا ترحم کے انداز میں ذکر کرتے، یہ تمام چیزیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ وہ امام محمدؒ کی حد درجہ تعظیم و تکریم کرتے تھے[2]

رہے وہ خیالی اور گھڑے ہوئے مناظرے اور بے شمار لایعنی استاذ تو کیا یہ ایک شاگرد کے لئے اپنے شیخ کے ساتھ ممکن ہے، ہرگز نہیں۔ امام شافعیؒ اور محمد بن حسن کے مابین دونوں صاحبان کی محبت معروف و مشہور تھی اور امام شافعیؒ کی عطرآمیز ان کا بلند صحبت اور کردار لوگوں کی نظروں سے مخفی نہیں ہے۔ اللہ نے انھیں بغض وحسد اور کذب و تعصب سے کافی دور رکھا ہے۔

---

[1] بلوغ الامانی۔ ص ۲۳

[2] بلوغ الامانی: ص ۲۳۔

بلوغ الامانی: ص ۲۳-۲۵۔

تلامذہ

ابو عبید قاسم بن سلام الہروی، عمر بن ابی عمرو الحرانی، محمد بن سماعۃ التمیمی، علی بن معبد بن شداد الدقی، معلی بن منصور الرازی، ابوبکر بن ابی مقاتل، اسد بن الفرات القیروانی (مدون مذہب مالک) محمد بن مقاتل الرازی (ابن جریر الطبری کے شیخ) یحیٰی بن معین الغطفانی (جرح اور تعدیل کے امام) علی بن مسلم الطوسی، موسیٰ بن نصر الرازی، شداد بن حکیم البلخی، الحسن بن حرب الرقی، ابن جبلہ، ابو العباس حمید، ابو التوبہ ربیع بن نافع الحلبی، عبید اللہ بن ابی حنیفۃ الدبوسی، ابو برید عمرو بن یزید الجرمی، مصعب بن عبد اللہ الزبیدی، ایوب بن الحسن النیسابوری، خلف بن ایوب البلخی، علی بن صبیح، عقیل بن عنبسہ، علی بن مہران، عمر بن زہیر، یحیٰی بن اکثم، ابو عبد الرحمٰن المؤدب (مؤدب آل شیب) ابو جعفر احمد بن محمد بن مہران النسوی (امامؒ سے موطا کی روایت کی) شعیب بن سلیمان الکیسانی (امامؒ سے الکیسانیات کی روایت کی) علی بن صالح الجرجانی (امامؒ سے الجرجانیات کی روایت کی) اسماعیل بن توبہ القزوینی (امامؒ سے "السیر الکبیر" کی روایت کی) ابو بکر ابراہیم بن رستم الرازی (امامؒ سے "النوادر" کی روایت کی) ابو بکر زکریا یحیٰی بن صالح الوحاظی الحمصی (بخاری کے شامی شیوخ میں سے) ابو موسیٰ عیسیٰ بن ابان البصری جن سے "الحج علی اہل مدینہ" کی روایت کی گئی ہے، اور وہ کتاب الحج الخیر اور کتاب الحج علی اہل مدینہ عنہ کے مولف ہیں۔ ان کے علاوہ وہ کتاب الحج الکبیر، کتاب الحج الصغیر اور کتاب الرد علی المریسی والشافعی فی شروط قبول الاخبار کے مولف ہیں) اور سفیان بن سحبان البصری (کتاب العلل کے مصنف)[1] جیسی اہم شخصیات آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ عیسیٰ بن آبان نے آپ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور آپ کی شخصیت سے پوری طرح وابستہ ہو گئے۔[2]

اور بہت سے آپ کے معاصرین نے بھی آپ سے روایت کی ہے چنانچہ محمد بن عمر الواقدی نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ جس طرح کہ خود انھوں نے واقدی سے روایت

---

[1] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ: ص ۱۲۸۔ [2] بلوغ الامانی: ص ۱۰۔

کی ہے[1] اور اس سلسلے کو یہیں پر میں ختم کرتا ہوں۔

وفات

ابی عوامؒ[2] اور الخطیبؒ[3] کے مطابق محمد بن حسن کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔ کچھ لوگوں نے سہو کی بنیاد پر ۱۳۵ھ بتایا ہے، متفقہ طور پر یہ اتفاق کیا جاتا ہے کہ ۱۸۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اس کے علاوہ الخیاطؒ[4]، الخطیبؒ[5] اور دوسرے لوگوں نے جو ۱۸۶ھ بتایا ہے یہ بھی درست نہیں ہے۔[6]

اور الصمیریؒ[7] سے روایت ہے کہ انھوں نے بتایا کہ ابراہیم بن عرفۃ النحوی کے مطابق محمد بن حسن اور الکسائی دونوں شخصیتیں ایک ہی ساتھ بمقام "الری" ۱۸۹ھ میں اس دنیا سے تشریف لے گئیں۔ ان دونوں حضرات پر ہارون الرشید نے اپنے تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں کیا: "میں نے فقہ اور زبان عربی کو "الری" میں دفن کر دیا۔" اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ پہلے محمد بن حسن کا انتقال ہوا اور اس کے دو دن بعد کسائی کا۔ اور ایک قول کے مطابق دونوں کا ایک ہی دن انتقال ہوا۔ واللہ اعلم۔[8]

مناقب الکردری میں مذکور ہے کہ محمد بن حسن کی تدفین "الری" کے قلعہ "محرکہ" میں عمل میں آئی۔ جو "جبل طبرک" میں واقع ہے۔ جہاں سے ہشام بن عبید الرازی کا گھر بہت قریب ہے، اسی لئے یہ برابر محمد بن حسن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ کسائی کا وطن "رنبویہ" گاؤں میں تھا۔ رازی اور کسائی کے گھر کے مابین چار فرسخ کی دوری ہے اور رشید کی فوج وہاں سے چار فرسخ پر ہے۔ اس کے ایک جانب امام محمد کا قیام ہے اور دوسری

---

[1] بلوغ الامانی، ص ۷۔ [2] تاریخ بغداد، ۱۸۲/۲۔
[3] بلوغ الامانی، ص ۷۔ [4] ایضاً، ص ۷۔
[5] تاریخ بغداد ۱۸۲/۲۔ [6] بلوغ الامانی، ص ۷۔
[7] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ، ص ۱۲۷۔ [8] بلوغ الامانی، ص ۷، والمناقب الکردری ۱۴۸/۲۔

جانب امام کسائی کا قیام ہے۔ اور یہیں سے ہارون رشید سمرقند کے رافع بن اللیث بن نصر بن سیار سے جنگ کرنے کے لیے گئے۔ ذہبی نے اپنے جزء میں یونس بن عبدالاعلیٰ سے انھوں نے علی بن معبد سے اور انھوں نے رازی سے (جس کے مکان میں محمد بن الحسن کا انتقال ہوا) روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں محمد بن حسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ مرنے کے قریب تھے، مجھے دیکھتے ہی رو پڑے، تو میں نے ان سے کہا کہ آپ صاحبِ علم ہوتے ہوئے رو رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے تھوڑا سا موقع دیدے اور مجھ سے پوچھ کر "مری" "آنے پر کس چیز نے تجھے آمادہ کیا؟ میرے راستے میں جہاد کے لیے یا میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تو میں کیا جواب دوں گا؟ اس کے بعد آپ کی روح پرواز کر گئی۔[1]

صمیری نے کہا کہ احمد بن محمد بن ابی رجا سے، انھوں نے اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا تو ان سے سوال کیا کہ آپ کہاں چلے گئے؟ تو انھوں نے کہا کہ میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ میں نے کہا کیوں؟ تو انھوں نے کہا کہ کیا میں نے تم کو عطیۂ علم نہیں دیا ہے؟ چنانچہ آج ہم سب ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے یہ بھی ان سے سوال کیا کہ ابو یوسف کے ساتھ کیا ہوا؟ تو انھوں نے کہا کہ وہ ہم سے ایک درجہ بلند ہیں؟ اس کے بعد امام ابوحنیفہ کے متعلق سوال کیا کہ ان پر کیا گزر رہی ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ وہ اعلیٰ علیین میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمتوں اور سایوں سے ڈھانک رکھا ہے، اور اللہ نے انہیں ان کے علوم و کرامات سے نوازا ہے۔[2]

---

[1] بلوغ الامانی: ص ۱۷، المناقب الکردری: ۱۴۹/۲۔

[2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ: ص ۱۲۹۔

تیسرا باب

محمد بن حسن شیبانیؒ — علمی سرگرمیاں

۱۔ محمد بن حسنؒ کی کتابوں کی اہمیت اور ائمہ مذاہب پر ان کے اثرات

۲۔ بنیادی مصادر سے استفادہ

۳۔ تالیفات محمد بن حسنؒ

محمد بن حسن شیبانیؒ

علمی سرگرمیاں

۱۔امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں کی اہمیت اور ائمہ مذاہب پر ان کے اثرات

محمد بن حسن کی جو کتابیں ہم لوگوں کے سامنے موجود ہیں، ان کا ان کے معاصر علماء سے پورا پورا موازنہ کیا گیا ہے۔ اور یہ کتابیں حنفی مذہب کے لیے دستاویز ہیں، اور انھی کتابوں کے ذریعہ ان کا قائم کردہ اسکول آج بھی موجود ہے، یہ کتابیں بنیادی مصادر کی حیثیت رکھتی ہیں اسی لیے انھوں نے ان کی تدوین کے لیے قدم اٹھایا۔ ان کی یہ کوشش رہی کہ عراقی اور حجازی علماء کی فقہ ہم لوگوں تک منتقل کر دیں۔

عراقی علماء کے مابین ان کی تصانیف عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ایک مجتہد عالم تھے اور غیر معمولی خیالات کے حامل تھے۔ اس وجہ سے بھی کہ انھوں نے عراق کی فقہ کو حجاز کے لیے جمع کیا اور روایت کے توسط سے نقل کرتے ہوئے بعد میں آنے والے لوگوں تک پہنچایا۔ یہی وہ اسباب ہیں کہ جن کی بنا پر ان کی کتابیں باعث صد افتخار کی اہل ہیں۔ حلبی سے روایت ہے، انھوں نے حسن بن داؤد سے روایت کی کہ انھوں نے کہا کہ ہم چار کتابوں کی وجہ سے اہلِ بصرہ پر ناز کرتے ہیں اور ۲۷ ہزار مسائل کے سبب فخر کرتے ہیں کہ جن کو تنہا ایک شخص نے قیاس و عقل کی بنیاد پر ترتیب دیا، جسے دنیا محمد بن حسن کے نام سے جانتی ہے اور بچہ بچہ اس سے واقف ہے[۱]۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے بے پناہ جفاکشی کی، محنت شاقہ سے دوچار ہوئے، اور رات کو دیروں تک جگتے اور گھریلو تمام کام اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور تالیف و تصنیف اور تحلیل و تجزیہ کو اپنا

---

۱ مناقب الکردری ۲/۱۵۹۔

شعار بنالیا، تاکہ وہ اپنے رب اور مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ ان کے رفقاء میں سے کسی نے سوال کیا کہ تم سوتے کیوں نہیں ہو؟ انھوں نے جواب دیا میں کیسے سو سکتا ہوں جب کہ امتِ مسلمہ کی آنکھیں سو رہی ہیں اور انھیں مجھ پر اعتماد ہے اور وہ مزید محمد بن حسن کے متعلق گواہ ہیں کہ جب کوئی معاملہ ہمارے سامنے پیش آتا ہے تو ہم اسے محمد بن حسن کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ ہمارے لیے اس کی وضاحت کر دیں۔ اس لیے اگر میں خود ہی سو گیا تو اس میں دین کی تضییع ہے[۱]۔ "کتاب الاعلام الاخیار" میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے علم کی شہرت محمد بن حسن کی تصانیف سے ہوئی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نو سو ننانوے کتابیں تصنیف کیں جو تمام کی تمام تر علوم دینیہ پر مشتمل ہیں[۲]۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ وہ تمام کتابیں جن کی تدوین مذہب حنفی کے باب میں ہوئی ہے وہ سب کی سب محمد بن حسن کی کتب کے زیر اثر ہیں اور "الاسدیۃ" جو مالکی مذہب کی تدوین میں اساسی اہمیت کی حامل ہے، وہ محمد بن حسن کی زیر نگرانی تالیف کی گئی۔

امام شافعیؒ نے قدیم وجدید موضوعات پر قلم محمد بن حسن سے فقہ کی تعلیم لینے کے بعد ہی اٹھایا۔ اور انھوں نے محمد بن حسن کی کتابوں کی کتابت کی اور ان سے بہت کچھ حفظ کر لیا۔ ابن حنبل محمد ہی کی کتابوں سے مسائل کے جوابات دیا کرتے تھے اور ان کے علاوہ دوسرے فقہاء بھی ان کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے تھے[۳]۔

۲۔بنیادی مصادر سے استفادہ

فقہ ۱: فقہ میں محمد بن حسن کے اول شیخ امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ اپنی زندگی کے ابتدائی چار سال

---

۱ مقدمہ شرح زیادات الزیادات للسرخسی، ص ۶ ۲ بلوغ الامانی، ص ۶۱۔
۳ تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ للسیوطی، ص ۱۲

امام اعظم کے ساتھ بتائے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں امام اعظم کے اثرات نمایاں ہیں۔ بطور مثال ان کی کتاب "کتاب الآثار" سے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

(۱) ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: تمام چیزوں میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت سوائے حدود کے جائز ہے، اور محمد کا خیال ہے کہ حدود کے ساتھ ساتھ قصاص میں بھی جائز نہیں ہے اور یہ امام اعظم کا قول ہے۔

(۲) قاضی شریح کا خیال ہے کہ چار اشخاص ہیں کہ جن کی آپس میں ایک دوسرے کی شہادت جائز نہیں ہے، عورت کی اپنے شوہر کے لئے، اسی طرح شوہر کی اپنی عورت کے لئے، باپ کی اپنے بیٹے کے لئے اور بیٹے کی باپ کے لئے، پارٹنر کی اپنے پارٹنر کے لئے اور جس کی قذف میں حد جاری کردی گئی ہو۔ اور محمد کا خیال ہے کہ یہی ہمارا بھی خیال ہے اور امام اعظم کا بھی۔ لیکن شراکت کے سلسلے میں ہمارا خیال ہے کہ پارٹنر اگر اپنے پارٹنر کی شہادت کسی غیر کے لئے دے تو جائز نہیں ہے۔[1]

۲۔ **المصدر الثانی:** دوسرے فقہ کے سلسلے میں انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے استفادہ کیا اور ان کے تمام فقہی خیالات سے بخوبی واقف تھے، انھیں امام ابو حنیفہؒ کی تمام مؤلفات کی تدریس پر دسترس حاصل تھی اور انھوں نے ان کی آراء کو عام بھی کیا۔ لیکن انھوں نے امام ابو حنیفہ کی کتب کی روایت صرف امام ابو یوسف کے طریقہ سے نہیں کیا، بلکہ ان کی روایت دوسرے طرق سے بھی کی، جس کے مظاہر ان کی کتب میں نظر آتے ہیں۔ ان کی بعض روایات امام اعظم سے اور بعض روایات امام ابو یوسف ہیں، لیکن بعض روایات ابو یوسف سے نہیں ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے بعض دوسرے فقہاء سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے شیوخ کے سلسلے میں یہ چیز نظر آتی ہے۔[2]

علم حدیث: علم حدیث انھوں نے ایک طرف امام اوزاعی سے حاصل کیا اور اسی کے

[1] کتاب الآثار، ص ۱۱۲، ابوحنیفہ والقیم الانسانیۃ فی مذہبہ لمحمد یوسف، ص ۱۶۷-۱۶۸۔

[2] مقالہ کی دوسری فصل ملاحظہ کریں۔

لئے امام مالک کے پاس سفر کرکے گئے جس وقت وہ "دارالہجرۃ" میں مقیم تھے۔ ان کی روایتِ موطا زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے، امام مالکؒ سے تین سال سماع حدیث کے بعد عراق واپس آگئے۔ یہ سماع دو پہلوؤں سے ان کے مذہب کے لئے مؤید ثابت ہوا۔

پہلا پہلو: امام محمدؒ کی وجہ سے مذہب حنفی کی جڑیں مضبوط ہوئیں کیونکہ انھوں نے ان احادیث سے حنفی مسائل کا استدلال کیا جن پر وہ اور امام ابو یوسف اعتقاد کرتے ہیں۔ اور یہ چیز ان فقہاء اور محدثین کے لئے معاون ثابت ہوئی جنھیں حدیث سے دلچسپی اور لگاؤ ہے۔

دوسرا پہلو: انھوں نے فقہ اہل الرائے (عراق) اور فقہ اہل حجاز کے مابین اعتدال کی راہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ چیز دونوں مکتب فکر کے لئے کارخیر ثابت ہوئی۔[1]

حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے ان تمام لوگوں سے استفادہ کیا جس کسی کا بھی فقہ سے تعلق رہا ہو۔ ان کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ ارباب صناعات کے پاس بار بار جاتے تاکہ وہ ان کے معاملات کی باریکیوں کو سمجھ سکیں اور یہ معلوم کرسکیں کہ وہ انھیں کیسے چلاتے ہیں۔[2]

زبان کے سلسلے میں کسائی کے یہاں وہ بار بار جاتے، چنانچہ دونوں شخصیتوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ کسائی نے ان سے فقہ کا درس لیا اور انھوں نے کسائی سے زبان کے مسائل دریافت کئے۔[3]

مغازی اور سیر کے لئے واقدی کی خدمت میں حاضری دی اور واقدی نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔[4]

یہی مذکورہ بالا مصادر ہیں جن سے انھوں نے استفادہ کیا، لیکن میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور ان کے مصادر و ذرائع نہیں ہیں ان کے شیوخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انھوں نے متعدد مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے، جن کا احتواء ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی مختلف کتب کا جائزہ لینے کے بعد یہ دلیل فراہم ہوتی ہے کہ ان کے مصادر میں حد درجہ تنوع ہے

[1] مناقب الکردری ۲/۱۴۰، مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۱
[2] ایضاً ۲/۱۵۲۔
[3] ایضاً: ۲/۱۵۲۔
[4] بلوغ الامانی، ص ۱۰۔

۳۔ تالیفات محمد بن حسن

القسم الاول: اصول حدیث سے متعلق کتب درج ذیل ہیں: کتاب الآثار، المبسوط، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، الرد علی اہل المدینۃ، الزیادات، السیر الصغیر اور السیر الکبیر۔

مذکورہ کتب کے موضوع کو اصول اور ظاہر الروایۃ دونوں کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی روایات جو محمدؒ سے ہیں وہ ثقات سے متعلق ہیں، جو روایات ان سے ثابت ہیں وہ متواتر ہیں یا مشہور۔[1]

محقق ابن امیہ حاج الحلبی نے "المنیۃ" کے "باب التسمیع" کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد نے اکثر کتب کو پڑھ کر ابو یوسف کو سنایا اور ان تمام کتب کے عنوان میں "الکبیر" تھا۔ کیونکہ یہ چیز تصنیف محمد کا جزو تھی مثلاً المضاربۃ الکبیر، المزارعۃ الکبیر، الماذون الکبیر والجامع الکبیر اور السیر الکبیر۔[2]

القسم الثانی: کتب غیر ظاہرۃ الروایۃ اصلاً پہلی قسم کے مقابلے میں کم ہیں۔ مثلاً الاکتساب فی الرزق المستطاب، الجرجانیات، الرقیات، الکیسانیات، معشرات الشیبانی اور الہارونیات۔

مذکورہ کتب اسی لئے غیر ظاہر الروایۃ کہی جاتی ہیں کیونکہ قسم اول کی طرح یہ محمد سے ثابت نہیں ہیں۔[3]

اب قسم اول کی کتب کا تعارف کرایا جائے گا جن کا تعلق فقہ حنفی سے ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے ان پر خصوصی توجہ برتی ہے، ان کی شرحیں لکھی گئیں، ان سے مسائل نکالے گئے، ان کے اصولوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ان کے فروعی مسائل سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چوتھی صدی کے اوائل میں ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد المروزی جو الحاکم الشہید کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے "الکافی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں محمد بن حسن کی پہلی قسم کی تمام کتب کی چیزوں کا ذکر کیا، اور مکرر مسائل کو حذف کر دیا کیونکہ ایک ہی مسئلہ کو وہ اپنی کتاب میں متعدد جگہوں پر ذکر کرتے تھے۔[4]

شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں "الکافی" کی شرح لکھی۔ اصول مسائل

---

[1] ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ۔ ابوزہرہ، ص ۲۰۸۔ [2] ایضاً: ص ۲۱۶۔

[3] ایضاً: ص ۲۱۷۔ [4] ایضاً: ص ۲۰۸۔

اور ان کے دلائل کے باب میں اس سے استفادہ کیا، اسی طرح مسائل کے سلسلے میں قیاس کی جو مختلف صورتیں ہیں ان سے بھی فائدہ اٹھایا۔ "المبسوط" کے اندر جو چیزیں مذکور ہیں وہ حجت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی لئے طرسوسی کا یہ قول صداقت پر مبنی ہے کہ اس کتاب میں جس چیز کی مخالفت کر دی جائے پھر اس پر عمل کرنا ممکن نہیں رہ جاتا۔ صرف اسی پر اعتماد کیا جائے گا اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔[1]

محمد بن حسن کی موجودہ اور معدومہ کتب کو تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) مطبوعہ (۲) مخطوط (۳) اور مفقودہ۔

ظاہر الروایۃ کی تمام کتب مطبوعہ ہیں

کتاب الآثار: اس میں امام اعظم سے مرفوعہ، موقوفہ اور مرسلہ احادیث نقل کی گئی ہیں۔ زیادہ تر ابراہیم نخعی سے مروی ہیں، اور اس میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ دوسرے بیس شیوخ سے روایت کی گئی ہیں، موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ شیوخ کرام کی اس کی روایات پر بڑی توجہ رہی ہے اور انھوں نے اس سے اپنے اثبات میں بھی خاصی مدد حاصل کی ہے۔ اس کتاب کے رواۃ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے "الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی۔[2]

یہ کتاب اپنی بیشتر روایات کی رو سے ابو یوسف کی "کتاب الآثار" سے مشابہ ہے اور یہ دونوں کتابیں امام اعظم کے لئے مسند ہیں اور مذہب حنفی کی تائید و توثیق کے لئے یہ دونوں کتابیں غیر معمولی درجہ رکھتی ہیں۔ دونوں میں بے شمار ایسے مسائل اور فتاویٰ ہیں جو نص سے بیان کئے گئے ہیں اور ان کی علتیں بھی بیان کی گئی ہیں، پھر ان پر قیاس کیا گیا ہے، اور فروعیات، اصولوں کی بنیاد اور وضع قواعد سے بھی بحث کی گئی ہے۔[3]

---

[1] ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۶۔ [2] بلوغ الامانی، ص ۶۵

[3] ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ وآراؤہ، ص ۲۱۶۔

عبدالحئی لکھنوی نے اسے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا۔ ۱۳۰۹ھ میں اردو توضیحات کے ساتھ لاہور سے شائع ہوئی۔[1]

الاصل فی الفروع (المبسوط)

امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فقہ کو مدون کیا۔ انھوں نے متعدد عظیم کتابیں تصنیف کیں اس کے بعد ان کے اصحاب نے ان کے اس طرز کو اپنایا۔ اور اس موضوع پر بے پناہ کتابیں تصنیف کیں۔ کچھ اس میں اضافے کئے، کچھ کمی کی، کچھ چیزوں کو آگے پیچھے کیا۔ چنانچہ اسے نہایت سلیقے سے ترتیب دیا اور اپنے امام و شیخ کے اصولوں پر چل کر فروعیات تک گئے۔ چنانچہ امام محمد بن حسن نے خصوصی طور سے اس موضوع پر بڑے اہم کام کئے اور مختلف فروعیات کو موضوع بحث بنایا۔ چنانچہ انھوں نے نو سو ننانوے کتابیں دینیات کے موضوع پر تصنیف کیں۔ ان کے انتقال کے بعد علماء کرام نے ان کی کتب پر توجہ مرکوز کی۔ اور ان کی شرحیں لکھیں خصوصاً اس کتاب کی۔[2]

"الاصل" نہایت مبسوط کتاب ہے، دیگر کتابوں کے مقابلے میں زیادہ عظیم، اہم اور جامع ہے۔ درحقیقت یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے ساحل کا پتہ نہیں، اس میں پہلے ایک مسئلہ کو ذکر کیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کی بے شمار جزئیات پر بحث کی جاتی ہے چنانچہ اس کے مباحث ایک متعلم کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں اور وہ اس کو سمیٹنے سے عاجز آجاتا ہے۔ اس کی طرف مزنی نے اس وقت اشارہ کیا جب اہل عراق نے ان سے سوال کیا، وہ فرماتے ہیں کہ خطیب کے بیان کے مطابق وہ تمام ائمہ سے زیادہ جزئیات میں اترنے والے ہیں۔[3]

---

[1] تاریخ التراث العربی ۲/۲۸۔ [2] مقدمۃ الاصل، ص ۲۔

[3] تاریخ بغداد ۲/۱۸۰

ایک خیال یہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا مؤلف کی تبحر علمی، فقہ پر ان کی وسیع النظری اور ایک ہی مسئلہ سے بے شمار مسائل کی تخریج کو دیکھ کر ششدر رہ جائے گا۔ وہ ایک مسئلہ سے متعدد مسائل پیدا کرتے ہیں۔[1]

"کشف الظنون" میں اس کتاب کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں کہ امام محمد الشیبانی کی کتاب "مبسوط" جس کو انھوں نے تنہا تالیف کیا ہے۔ اس میں پہلے مسائل صلاۃ سے بحث کی جس کے لئے باب "کتاب الصلوٰۃ" قائم کیا مسائل بیع کو "کتاب البیوع" کے تحت ذکر کیا گیا اور اسی طرح ایمان اور اکراہ پر اظہار خیال کیا گیا۔[2]

محمد بن اسحاق الندیم نے اپنی فہرست میں یہ ذکر کیا کہ دراصل کتاب "الاصل" ۶۶ کتابوں پر مشتمل ہے۔[3]

انھوں نے جو اس کتاب کے مقدمہ میں "کتاب اجتہاد الرأی" کے متعلق ذکر کیا ہے غالباً یہ ایک مستقل کتاب ہے کیونکہ اس کا "الاصل" میں ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی "مختصر الحاکم الشہید" میں۔[4]

اس کتاب کی اہمیت اور علو منزلت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ امام شافعیؒ نے اسے حفظ کیا اور اس کے طرز پر "الامام" تصنیف کیا۔

اس کتاب کی برکت کا یہ عالم ہے کہ جب اہل کتاب کے کسی حکیم نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو اسلام لے آیا اور یہ تاثر ظاہر کیا کہ جب محمد کی کتاب الاصغر کا یہ حال ہے تو ان کی کتاب الاکبر کا کیا حال ہوگا۔[5]

یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد پانچ سو صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہے محمد احمد بن حفص (آپ کے شاگرد) کی روایت کے مطابق اور ابن عابدین کا قول

---

[1] مقدمۃ الأصل، ۲، [2] کشف الظنون ۲/۱۵۸۱۔

[3] فہرست الندیم ص ۲۰۱-۲۰۲ [4] مقدمۃ المبسوط، ص ۳۔

[5] بلوغ الامانی، ص ۶۱۔

ہے، میں جانتا ہوں کہ مبسوط جو محمد سے مروی ہیں اس کے متعدد نسخے ہیں۔ جن کا ذکر ابوسفیان الجوزجانی کی "مبسوط" میں ملتا ہے[1]۔ اسی طرح ابوسلیمان "الاصل" کے دوسرے راوی ہیں، جن کا ذکر محمد بن سماعہ التیمی اور ابوحفص الکبیر البخاری نے کیا ہے[2]۔ اور یہی وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے ابوالحسن بن داؤد اہل بصرہ پر فخر کیا کرتے تھے[3]۔

کتاب میں ان کی بحث کا انداز یہ ہے کہ وہ فروع کو ابوحنیفہ اور ابویوسف کے طرز پر بیان کرتے اور اسی کے ساتھ مسائل میں اپنی رائے بھی پیش کرتے ہیں اور وہاں پر دلائل بیان نہیں کرتے ہیں جہاں پر انہی کے اہل طبقہ کے جمہور علماء کی جانب سے بطور دلیل کے احادیث پیش کی گئی ہوں اور ان مسائل پر وہ دلائل پیش کرتے ہیں جہاں ان کی نظر سے دلائل پوشیدہ رہ گئے ہوں۔ یہ کتاب تعلیل فقہی سے خالی ہے۔

اس کتاب کے چار اجزاء ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں حیدرآباد کے پریس "مجلس دائرۃ المعارف بالہند" سے شائع ہو چکے ہیں اور جزء رابع کا خاتمہ "باب جنایۃ العبد علی الحر واحدا ہما علی صاحبہ" پر ہوا ہے۔ یہ اجزاء ابوالوفا الافغانی کی نگرانی میں شائع ہوئے[4]۔

عبدالرحیم بن ابی عصام البلخی نے اس کا اختصار کیا ہے۔ اور اس کا اصل مخطوطہ ترکی کے اندر "جار اللہ" میں موجود ہے جس کا نمبر ۸۷۳ ہے[5]۔

الجامع الصغیر اس کتاب پر مفصل بحث ان شاء اللہ مقالہ کے چوتھی فصل میں آئے گی۔

الجامع الکبیر محمد بن حسن کے بعد آنے والے تمام علماء نے اس کتاب کی خصوصیات پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ذہبی نے طحاوی سے اور انھوں نے مرداس سے روایت کی ہے کہ میں نے محمد بن شجاع کو کہتے ہوئے سنا کہ "الجامع الکبیر" میں محمد بن حسن کی

---

[1] رسم المفتی، ص ۱۷۔ [3] بلوغ الامانی، ص ۶۱

[2] ایضاً: ص ۶۱ [4] اس فصل سے بھی کتب محمد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

[5] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ، ص ۵۶-۵۷۔

حیثیت اس انسان جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا، زینہ تیار کیا اور اسی زینے کے ذریعہ گھر کے اوپری حصہ پر جا کر گھر کی تعمیر مکمل کی اور نیچے اتر آئے اور زینوں کو گرا دیا اور لوگوں سے کہا کہ تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اس کے اوپر چڑھو[1]۔

اس کتاب اور شیخ کے اندر ایسی برکت تھی کہ جو لوگ اس کا مطالعہ کرتے ضرور انھیں ہدایت اسلام نصیب ہوتی، لوگوں نے اس کی حیرت انگیز زبان اور ترکیب پر اظہار خیال کیا ہے الملک عیسیٰ ابن الملک العادل الایوبی نے روایت کی ہے کہ بصرہ کے ایک یہودی نے محمد بن حسن کی "الجامع الکبیر" طلب کی اور پڑھنے کے بعد فرمایا کہ کیا کسی نے دین اسلام پر اتنی اچھی بحث کی اور کیا کسی نے مسائل کی نزاکتوں کو اس انداز سے دیکھا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کا مطالعہ اپنے لئے لازم قرار دیدیا اور بتایا کہ یہ تمام چیزیں کسی نبی ہی سے منسوب کی جا سکتی ہیں اور میں اس کا گواہ ہوں کہ یہ نبی برحق تھے اور بعد میں تسلیم حقانیت کے بعد مشرف بہ اسلام ہو گئے[2] اور آخر میں الایوبی نے کہا کہ یہ محمد بن حسن کی کارناموں کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کے قارئین کے لئے چھ علوم کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ایک تو کتاب عزیز کا، دوسرے آثار، تیسرے فقہ، چوتھے نحو، پانچویں زبان اور چھٹیں حساب کا۔ اور جو شخص ان علوم کا حامل نہیں ہوگا وہ اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتا بجز تقلید کرنے کے[3]۔

محمد بن حسن نے دوبار "الجامع الکبیر" کو لکھا، پہلی بار تصنیف کیا تو ان سے ان کے اصحاب ابوحفص الکبیر، ابوسلیمان الجوزجانی، ہشام بن عبیداللہ الرازی، محمد بن سماعہ اور ان لوگوں نے ان سے روایت کی۔ اس کے بعد اس پر نظر ثانی کیا تو کچھ ابواب کے اضافہ کئے، مسائل کی تعداد بڑھ گئی اور مختلف جگہوں پر عبارت کے الجھاؤ کو دور کر کے

---

[1] ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح، ص ۱۰۳ [2] ایضاً: ص ۱۰۴

[3] ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۲۔

اس میں حسن پیدا کیا اور معانی میں اضافہ۔ اس کے بعد ایک بار پھر ان کے اصحاب نے روایت کی۔ "الجامع الکبیر" فقہی استدلال سے خالی ہے۔ اس میں کتاب وسنت سے دلیل ماخوذ نہیں ہے اور نہ ہی قیاس کو بہت واضح انداز برتا گیا ہے، لیکن جس وقت ہر باب کے مسائل پر غور کیا جائے گا اور مسائل کی جزئیات وتفاصیل کا تتبع کیا جائیگا تو بین السطور قیاس نظر آئے گا۔ قیاس کو تفصیلات اور فرعیات کی تہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے قیاس کی بنیاد نص پر نہیں رکھی ہے[1]

یہ کتاب نہایت اہم مسائل پر مبنی ہے اور اس کا انحصار عیون روایات اور متون روایات پر ہے۔ یہ جامعیت ایک بین مثال ہے۔ اس کے باب میں ابن شجاع فرماتے ہیں کہ فقہ کے موضوع پر کسی نے اب تک ایسی کتاب تصنیف نہیں کی۔

امام ابوبکر رازی اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے بعض مسائل کو دیکھے تو اہل نحو کی بعض اہم بحثیں ان میں نظر آتی ہیں۔ جن پر ابو علی فارسی کو حیرت ہے۔ اہل کتاب نے بہت سے نحوی مسائل کو اس میں ذکر کیا ہے[2]

ابن ابی العوام نے اخفش کی سند سے روایت کی ہے کہ انھوں نے زبان وبیان کے لحاظ سے اس کتاب کی غیر معمولی تعریف کی ہے[3]

علامہ شریف الدین بن عبید اللہ نے "الموصل" سے ماہ محرم میں ۶۱۵ھ کو قاضی شرف الدین بن عنین کی خدمت میں لکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ میں ایک طویل عرصہ سے محمد بن حسن کی "الجامع الکبیر" پر غور وخوض کر رہا ہوں۔ اس کی کچھ چیزیں میرے دل پر نقش ہو گئی ہیں، یہ ایک عجیب وغریب کتاب ہے۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے اس میں مشکل ترین سوالات کئے گئے ہیں اور ملک معظم عیسی بن ملک عادل کی زبانی ان کے جوابات دیے گئے ہیں[4]

---

[1] ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۲ [2] تاریخ التراث العربی لفواد سزگین ۲/ ۵۹۔

[3] ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۲ [4] تاریخ التراث العربی ۲/ ۶۰۔

یہ کتاب فقہاء کی آراء کے لئے میزان کی حیثیت رکھتی ہے فقہ میں ان کی ذہانت و ذکاوت اور مسائل میں ان کے مابین جو اختلافات موجود ہیں ان کا بھی اس کتاب سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انھیں عربی زبان پر پورا عبور حاصل ہے اور اسلوب بیان میں بھی اس کا وہی مقام ہے جو کہ فقہ میں۔

یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ۱۳۵۶ھ میں قاہرہ مصر سے شائع ہوئی اور ۱۳۵۶ھ ہی میں حیدر آباد ہندوستان سے ابو الوفا افغانی کی نگرانی میں شائع ہوئی۔

۵۔ **الحجۃ علی اھل المدینۃ:** ظاہر الروایۃ میں اسے حد درجہ شہرت حاصل ہے جب کہ علماء کرام نے اس پر اظہار خیال نہیں کیا ہے۔ اس کا عنوان "الحجج المبینۃ علی اھل المدینۃ" ہے استنبول کے مکتبہ "سرائے مدینہ" میں مخطوطہ کی شکل میں موجود ہے، جس کا نمبر ۳۵۲ ہے[1]

اس کتاب کا سبب تالیف یہ ہے کہ محمد بن حسن جب امام مالک بن انس سے سماع حدیث کے لئے مدینہ روانہ ہوئے تو "دار الہجرۃ" کے سامنے ان کے ساتھ تین سال قیام کیا۔ اور وہاں پر ان سے اور ان کے علاوہ دیگر علماء سے روایت کی اور بہت سے علماء سے مناظرہ کیا اور نہایت اعلی طرز پر ان کے خلاف دلائل پیش کئے اور ان دلائل کو "کتاب الحجہ" کے نام سے جمع کیا اور جب عراق واپس گئے تو ان کے بہت سے تلامذہ نے ان سے روایت کی اور ان ہی سے ان کی روایت کی بنیاد پر عیسی ابن ابی ابان کو حد درجہ شہرت ملی[2]

اسی کتاب کی روایت امام شافعیؒ نے اپنی کتاب "الام" میں روایت کی ہے اور اس پر تعلیقات پیش کی ہیں اور امام اعظم کی جس آراء کو محمد نے نقل کیا ہے ان پر امام شافعیؒ نے مناقشہ کیا ہے اور اسی طرح اہل مدینہ کی آراء پر اظہار خیال کیا ہے[3]

یہ کتاب ہندوستان میں حیدر آباد کے پریس "المعارف الشرقیہ" اجٹہ بازار سے

---

[1] تاریخ التراث العربی ۲/ ۱۷۔ [2] مقدمۃ الطبع للسید مہدی حسن الکیلانی، ص ۲۔

[3] ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۵۔

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں ترتیب و تصحیح اور مہدی حسن گیلانی قادری کی تعلیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس کی طباعت ابوالوفاء الافغانی کے زیر نظر عمل میں آئی۔ یہ کتاب "کتاب الیسوع" کے باب "ماجاء فی ثمن الکلب" پر ختم ہوتی ہے۔

کتاب کے ناشر کا کہنا ہے کہ لوگوں کو اس مخطوطہ کے تمام نسخے غیر مکمل ملے، لوگوں نے ان میں امام شافعیؒ کی "کتاب الام" سے اضافے کئے جس میں انھوں نے محمد بن حسن پر تنقید کی ہے۔[1]

۶۔ **الزیادات:** اس کو محمد بن حسن نے "الجامع الکبیر" کے بعد تصنیف کیا۔ "الجامع الکبیر" کی تالیف سے فراغت کے بعد اس کتاب میں بہت سی ایسی فروع کا ذکر کیا جو "الجامع الکبیر" میں نہیں ہے اور اس کو "الزیادات" کے نام سے منسوب کیا۔

یہ نہایت جامع کتاب ہے جو سات ابواب پر مشتمل ہے۔ "الجامع الکبیر" میں جو چیزیں آنے سے رہ گئی تھیں ان کو اس میں سمو دیا۔ یہ ان کی تصانیف میں ایک گراں قدر اہمیت کی حامل ہے۔

علماء کرام اسے نوادر میں شمار کرتے ہیں اور بعض علماء نے اسے "ظاہر الروایۃ" سے متعلق کتب میں شامل کیا ہے۔ اہل علم نے اس کی شرحوں پر کافی توجہ مبذول کی ہے۔ یہ کتاب محمد بن حسن سے مروی کتب میں اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے "نوادر" میں شامل کیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔[2] اس قول سے شروح ائمہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انھوں نے "نوادر" کی شرح بیان نہیں کی ہے۔ علماء کرام کو نوادر اور اس کے اصولوں کا علم نہیں ہے۔[3]

الترتیبات والشروح

علماء کرام نے "الزیادات" کو ترتیب دیا، اس کی شرحیں لکھیں اور اس پر تعلیقات درج کیں۔

---

[1] مقدمۃ الطبع، ص ۲ [2] مقدمۃ الطبع شرح السرخسی (النکت) ص ۸۔

[3] ایضاً: ص ۸

۱۔ صدرالدین سلیمان وہب الحنفی (ت ۷۷۶ھ) اور استنبول کی لائبریری "الفاتح" میں اس کے نمبرات ۱۵۵۵/۲/۱۵۵۶/۲، ۱۶۶۶ کے تحت پائے جاتے ہیں اور اس پر محمد بن محمود محمد السدیدی الزوزنی (ت ۱۰۰۸ھ) نے اس پر تعلیق لکھیں۔ اس کا عنوان "سلاک الافادات فی شرح الزیادات" ہے جو "جور لولو" لائبریری میں درج ذیل نمبر ۲/۲۳ کے تحت موجود ہے۔[1]

الشروح

متعدد علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔

۱۔ احمد بن محمد عمر العتابی (ت ۵۸۶ھ) نے سرخسی کی شرح (الزیادات پر) پر حواشی لکھے ہیں اور یہ حیدر آباد (ہندوستان) کے پریس "لجنہ نشر العلوم الاسلامیۃ" سے ۱۳۷۶ھ میں شائع ہوئی۔[2]

۲۔ فخرالدین الحسن بن منصور بن محمود الاوزجندی قاضیخان نے جو شرح لکھی تو انھوں نے زیادہ تر اعتماد صدرالدین سلیمان بن وہب کی ترتیب پر کیا۔ یہ جرمنی کے شہر برلن کے کیٹلاگ میں نمبر ۱۹۱ کے تحت موجود ہے۔ اور استنبول کی لائبریری "الفاتح" میں نمبرات ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، اور ۱۷۰۸ کے تحت پائی جاتی ہے اور ہندوستان کے شہر بنکیپور کی لائبریری میں نمبر ۱۵۹۴ کے تحت ہے۔[3]

۷۔ **زیادۃ الزیادات:** الزیادات سے فراغت کے بعد اس کی تالیف کی۔ اس میں دوسرے فروع کا ذکر کیا یہ اس سے بڑھ گئی اور ایک علاحدہ چیز ہو گئی۔ جیسا کہ قاضیخان نے اپنی شرح میں اس کا ذکر کیا۔[4]

ابوالوفاء افغانی نے سرخسی کی معروف شرح "النکت" کی تحقیق کرتے ہوئے بتایا کہ اس کے کسی اور نسخے کی دریافت نہیں ہوئی۔[5] لیکن فواد سزکین نے اس کے تین اور نسخوں کی جانب "تاریخ التراث العربی" میں اشارہ کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ آئرلینڈ کے شہر

---

[1] تاریخ التراث العربی ۲/۵۴-۵۵۔ [2] ایضاً: ۲/۵۵۔

[3] ایضاً: ص ۲/۵۵۔ [4] مقدمہ کتاب النکت، ص ۱۔

[5] مقدمۃ الطبع لکتاب النکت، ص ۲

"ترشستر بیتی" میں نمبر ۲۰۸۹/۲ کے تحت موجود ہے۔ دوسرا استنبول کی "قرہ جلبی" لائبریری نمبر ۱۹۸/۲ کے تحت پایا جاتا ہے۔ اور تیسرا "جور لولو" میں نمبر ۱۰۵ کے زیر تحت موجود ہے[1] علماء کرام نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

۱۔ اس کی ایک شرح محمد بن احمد السرخسی (ت ۴۸۳ھ) نے "النکت" کے نام سے تحریر کی ہے جس کو ابوالوفا افغانی نے حیدر آباد سے ۱۳۷۶ھ میں شائع کیا ہے۔

۲۔ احمد بن محمد العتابی (ت ۵۸۶ھ) نے "النکت" پر حواشی لگائے ہیں۔ اسے ابوالوفاء افغانی نے حیدر آباد سے ۱۳۷۶ھ میں شائع کیا۔

۸۔ السیر الصغیر: محمد بن حسن نے "السیر الکبیر" سے قبل اسے تالیف کیا، اصل کتاب محمد بن احمد سرخسی کی شرح میں موجود ہے اور یہ شرح مخطوط کی صورت میں استنبول کی لائبریری "حضید آفندی" میں ۹۵/۴ کے تحت موجود ہے[2]

"السیر الصغیر" کو امام محمد بن حسن نے ابویوسف سے روایت کی ہے۔ بلکہ تمام تر چیزیں جو "الصغیر" میں موجود ہیں وہ ابویوسف ہی سے مروی ہیں۔

کتاب کا موضوع "احکام جہاد" ہے کہ کیا چیزیں اس میں جائز ہیں اور کیا چیزیں ناجائز، صلح کے حدود کو کب توڑنا جائز ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، احکام امان، غنائم، فدیہ اور استرقاق (غلام کا مالک ہونا) پر مباحث موجود ہیں اور ان کے علاوہ ان چیزوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کون سی چیزیں جنگ پر آمادہ کرتی ہیں اور کونسی چیزیں جنگ کرنے سے منع کرتی ہیں[3]

۹۔ السیر الکبیر: یہ محمد بن حسن کی فقہ کے موضوع پر دوسری کتاب ہے، اس کی تالیف کا سبب یہ ہے کہ ان کی کتاب "السیر الصغیر" عبدالرحمٰن بن عمر والاوزاعی (اہل شام کے عالم) کے ہاتھ لگی تو انھوں نے یہ تحقیق کی کہ اس کا مولف کون ہے؟ تو انھیں یہ بتایا

---

[1] تاریخ التراث العربی ۵۶/۲ [2] ایضاً: ۶۸/۲۔

[3] ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص ۲۱۳۔

گیا کہ یہ محمد عراقی کی ہے، انھوں نے کہا کہ اس سے عراقی کا کیا تعلق ہے اور اس موضوع پر انھیں تصنیف کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ انھیں سیر، مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا علم نہیں ہے۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ کا تعلق شام اور حجاز سے تھا نہ کہ عراق سے، یہ ایک بالکل نئی چیز ہے، جب یہ خبر محمد کو معلوم ہوئی تو آپ ان پر حد درجہ ناراض ہوئے اور خود کو فارغ کر کے اس کتاب کو تحریر کیا۔ اور اس کے بعد امام اوزاعی نے اسے پڑھا اور یہ تاثر دیا کہ "اگر اس میں انھوں نے احادیث کو جمع نہ کیا ہوتا تو میں یہ کہنے سے باز نہ آتا کہ انھوں نے اسے گڑھ کر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امام اوزاعی کو صحیح بات کہنے پر مجبور کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سچ کہا ہے کہ "وفوق کل ذی علم علیم"[1]

سرخسی کے بیان سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ تالیف کے لحاظ سے "کتاب السیر الکبیر" محمد بن حسن کی کتابوں میں سے دوسری کتاب ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کا سبب تالیف صرف اوزاعی کا وہ انکار ہے کہ اہل عراق کی سیر کے موضوع پر کتابیں نہیں ہیں نیز اوزاعی کا "السیر الکبیر" کو بغور پڑھنا۔ یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ قدرے ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔ رہا پہلا پہلو تو وہ بالکل واضح ہے کیونکہ کسی نے اس کی روایت ان سے نہیں کی ہے جس کی طرف ابوحفص الکبیر احمد بن حفص نے اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے اس کی تکمیل کے فوراً بعد عراق کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ اس کی روایت ان سے ابوسلیمان جوزجانی اور اسماعیل بن توبہ نے کی ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اسے محمد بن حسن نے اس وقت لکھا جب کہ ان کے اور ابویوسف کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اس کا ذکر انھوں نے کتاب میں نہیں کیا ہے۔

رہا دوسرا پہلو یہ کہ اس کی تالیف کا سبب اوزاعی کا انکار ثابت ہوا اور تالیف کے بعد انھوں نے اس کا مطالعہ کیا تو یہ چیز تاریخی اعتبار سے ناقابلِ قبول ہے کیونکہ اوزاعی کا

---

[1] شرح السیر الکبیر السرخسی، ص ۶ [2] سورہ یوسف (۱۲) الآیۃ (۶۸)

انتقال ۱۷۵ھ میں ہوا اور امام محمد بن حسن کی پیدائش ۱۳۲ھ میں ہوئی اور ۱۸۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ اس طرح یہ ہوا کہ ۱۷۵ھ سے قبل محمد بن حسن نے اپنی تمام کتب تالیف کیں یعنی ۴۵ سال سے قبل، یہ بات ناممکن اس لئے ہے کہ سن ابتدا تا تالیف کے لئے سن انتہا ثابت ہوا۔ اگر ہم اسے تسلیم کرلیں کہ انھوں نے یہ کتاب امام اوزاعی کی زندگی میں تصنیف کی تو تاریخی حقائق اس کا انکار کریں گے کیونکہ راوی حضرات کا وجود اس عہد میں نہیں ملتا مثلاً ابوجعفر الکبیر اس عہد میں نہیں تھے۔ متن سے یہ واضح ہے کہ اس کی تصنیف اس وقت عمل میں آئی جس وقت ان کے اور یوسف کے مابین دوری تھی اس کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کے حضور محمد بن حسن اس وقت جانے کے لائق نہیں تھے، بادشاہ کے یہاں ان کی آمد و رفت سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہوئی، اور اس کے بعد انھوں نے ابو یوسف اور دوسرے علماء کے علم سے خوب استفادہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب[1]۔

کوثری نے بلوغ الامانی میں ذکر کیا ہے کہ شیبانی کی اس تصنیف کے منظر عام پر آنے کے بعد ابوحفص الکبیر بخاری واپس لوٹے اور ان کی روایت صرف رواۃ بغداد مثلاً جوزجانی، اسماعیل بن توبہ قزوینی تک ہی محدود رہی[2]۔

یہ کتاب محتاج تعارف نہیں ہے، مؤلف نے اسے ساٹھ ابواب پر منقسم کیا ہے کتاب کا موضوع جنگی امور سے متعلق ہے، مثلاً جنگ میں مشرکین کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا جنگ کے احکام کیا ہیں؟ سچ پوچھئے تو اس کی بین الاقوامی قانون کی حیثیت ہے کیونکہ اس میں یہ بحث ہے کہ مسلمانوں کا جنگ کے وقت کیا نقطۂ نظر ہونا چاہئے، لیکن افسوس صد افسوس کہ محمد کا اصل متن غائب ہے اس لئے اس کی طرف رجوع کرنے سے ہم قاصر ہیں۔ آج ہمارے سامنے اس کا صرف وہ حصہ موجود ہے جس کی روایت سرخسی نے اپنی جیل کی یادداشت میں کی ہے[3]۔ سرخسی کی شرح السیر الکبیر حیدرآباد میں دائرۃ المعارف العثمانیہ

---

۱ ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ وآراءہ، ص ۲۱۴-۲۱۵۔ ۲ البلوغ الکوثر، ص ۶۴۔

۳ مقدمہ شرح السرخسی، ص ۱۲-۱۶، وبلوغ الامانی، ص ۶۴۔

چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اور ۱۹۵۷ء میں صلاح الدین منجد کے زیر نگرانی "مطبعۃ شرکۃ مساہمۃ مصریۃ" سے شائع ہوئی۔

امام محمد کے متن پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ درج ذیل مصادر اس میں ملتے ہیں قرآن کریم، مغازی سے متعلق احادیث جو کہ مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے درمیان رونما ہوئیں اور قیاس۔ اسی لئے یہ احکام کے باب میں یہ ایک مثالی کتاب ہے۔ ترک شہنشاہیت کے زمانہ میں اس کا ترکی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اور یہ عثمانی مجاہدین کے لئے ایک اساس اور بین الاقوامی قانون ثابت ہو جس وقت کہ وہ یورپ سے برسرپیکار تھے[1]۔ استنبول میں یہ ترجمہ ۱۲۴۱ھ میں شائع ہوا۔

۱۔ **الموطا بروایت امام محمد بن حسن:** وہ کتابیں جن میں روایت حدیث کی کثرت تھی ان کا ذکر گزر چکا ہے اور "کتاب الآثار" کا بھی ذکر آچکا۔ اس وقت ہمارے سامنے وہ موطا ہے جس کی تدوین محمد کی اس روایت پر مبنی ہے جو امام مالکؒ سے ہے، اس میں امام مالک سے روایت کردہ ایک ہزار سے زائد مرفوع اور موقوف احادیث ہیں اور اسے انھوں نے ابوالولید الباجی سے سنا اور انھوں نے ابوذر ہروی سے سنا۔ اور انہی کے توسط سے موطا امام محمد اندلس میں عام ہوئی۔ اور اسانید موطا بروایت محمد بلوغ الامانی میں پھیلی ہوئی ہیں[3]۔

علی القاری، اشباہ کے شارح بیدی اور عثمان الکماخی نے اس کی شرحیں لکھیں ہیں اور ہندوستان میں عبدالحئی لکھنوی کی شاندار تعلیقات کے ساتھ متعدد بار شائع ہوئی ہے[4]۔ موطا امام مالک محمد بن حسن شیبانی کی روایت سے متعدد بار شائع ہوئی ہے۔ لکھنؤ سے ۱۲۹۷ء میں شائع ہوئی۔ ایران کے شہر قازان سے ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی اور عبدالوہاب اللطیف کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے بھی شائع ہوئی[5]۔

---

۱ شرح موطا، ۱/۳۰۰ ۲ ۳ البلوغ، ص ۶۷-۴۸۔

۴ البلوغ، ص ۶۶۔ ۵ تاریخ التراث العربی ۱/۱۳۳۔

ثانی: دوسری قسم میں غیر ظاہرۃ الروایۃ سے متعلق کتابیں

۱۔ **الامالی:** امالی کا ایک جز جو ان کے شاگرد سلیمان بن شعیب الکسائی (ب ۲۷۸ھ) کی روایت سے ہے شائع ہو چکا ہے۔ یہ حیدر آباد کے پریس "دائرۃ المعارف العثمانیہ" سے ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوا۔ یہ امالی کا ایک مختصر جز ہے جو غصب، دعویٰ، مرابحہ، البیوع طلاق، کفالت، حوالہ، شرکت، دیت، غلام جس کی تجارت کی اجازت ہو اور ان کے علاوہ بہت سے فائدہ بخش مسائل پر مشتمل ہے اور اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مسائل کو نہایت اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ قدرے غور کے بعد طالب علم بآسانی سمجھ جائے گا اور گزشتہ صدیوں میں علماء کرام کے توسط سے جو علوم قدیمہ اور فنون عصریہ کی تدوین ہوئی ہے طلبہ ان سے استدلال کر سکیں گے۔[1]

اس "امالی" میں محمد بن حسن نے بڑے حیرت انگیز مسائل سے بحث کی ہے اور انھیں پر فقہی اصول اور فروع کی بنیاد ہے، شیخ عبد الرحمٰن یمانی اور حبیب عبد اللہ حضرمی کی نظر کے بعد یہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔[2]

۲۔ **العقیدۃ:** اس کا تعلق محمد بن حسن سے قائم کرنا ابھی محل نظر ہے۔ پہلی بار ۱۳۲۷ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ فواد سزگین نے اپنی کتاب میں اس کی دو شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

(الف) محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن محمد الشافعی القاضی عجلونی (ت ۸۷۶ھ) نے اس کی شرح بعنوان: "بدائع المعانی فی شرح العقیدہ" کی پیرس میں اس کا مخطوطہ نمبر ۳۲۰۴ کے تحت موجود ہے اور برٹش میوزیم میں مخطوطات شرقیہ کے تحت ۴۲۶۴ پر ہے۔ اور استنبول کی رشید لائبریری میں ۲/۳۱۸ کے تحت موجود ہے۔[3]

(ب) دوسری شرح علوان علی بن عطیہ بن حسن الحموی (ب ۹۳۶ھ) کی بعنوان "بیان

۱۔ الامالی، ص ۳-۴۷۔ ۲۔ ایضاً: ص ۴۳-۴۷۔

۳۔ تاریخ التراث العربی ۲/۱/۷۔

المعانی فی عقیدۃ الشیبانی" ہے۔ اس کا مخطوطہ جرمنی کے شہر برلن میں ۱۹۳۵ کے تحت موجود ہے۔ شام کی لائبریری "الاسد الوطنیہ" میں ۴۶۲۱/۶ نمبر کے تحت موجود ہے۔[1]

(۳) **الکسب:** اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی تکمیل سے قبل آپ کا انتقال ہو گیا، لوگوں کا ان سے مطالبہ تھا کہ "الورع" کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کریں تو انھوں نے کہا کہ میں نے "البیوع" کے موضوع پر تالیف کر دی ہے۔ کیونکہ ہر تاجر اپنی تجارت کو خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہتا ہے لیکن جب لوگوں کا زیادہ اصرار ہوا تو انھوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا مگر افسوس کہ تکمیل سے قبل ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، شمس الائمہ سرخسی نے کتاب "الکسب" کی شرح لکھی ہے اور اسے عدلونس نے قاہرہ سے ۱۹۳۶ء میں شائع کیا۔ اس کا خلاصہ ابو عبد اللہ محمد بن سماعہ بن عبد اللہ التیمی (۲۳۳ھ) نے بعنوان "الاکتساب فی الرزق المستطاب" کو دار الکتب العلمیہ سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی نسبت ابن سماعہ کی جانب ہے۔[2]

(۴) **المخارج فی الحیل:** ابو یوسف کی ان روایات پر مبنی ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے ہے، اس کی ابتدا انھوں نے ابو حنیفہ کی تالیف اور ابو یوسف کی روایت سے کی ہے۔ شاخت نے اسے شائع کیا ہے۔[3]

یہ کتاب ابھی تازہ تازہ "محمد بن حسن الشیبانی" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور دار الکتب المصریہ میں ابو یوسف کے نام سے موجود ہے۔ امام محمد بن حسن اس کتاب کے باب میں کہتے تھے کہ یہ میری تصنیف نہیں ہے، بلکہ میری تصانیف میں اسے شامل کر دیا گیا ہے۔ ابن ابی عمران کا خیال ہے کہ یہ کتاب اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ کی ہے۔[4]

سرخسی نے کتاب "المبسوط" کے مقدمہ میں کتاب "الحیل" کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں لوگوں کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ امام محمد کی تصنیف ہے

۱۔ تاریخ التراث العربی، ۲/۱/۷، ۲۔ بلوغ الامانی، ص ۶۵، تاریخ التراث العربی ۲/۱/۷۔

۳۔ تاریخ التراث العربی ۲/۱/۷ ۴۔ بلوغ الامانی، ص ۶۵۔

کہ نہیں؟ ابوسفیان جوزجانی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ "الحیل" امام محمد کی تصنیف ہے تو یہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ اسے بغداد کے ناقلین نے جمع کیا ہے۔ اسی کی بنیاد پر جاہل لوگ اسے امام محمد سے منسوب کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نام کی کتاب ان کی تصانیف میں موجود ہے تو اسے جہال کو تقویت مل جائے گی۔ ابوحفص الکبیر بخاری کا خیال ہے کہ امام محمد کی تصنیف ہے اور یہ انہی سے روایت کی گئی ہے۔ یہی رائے سرخسی کی بھی ہے۔ سرخسی کا کہنا ہے کہ اگر گناہوں سے بچنے کے لیے "حیل" کا راستہ اختیار کیا جائے تو یہ چیز جمہور علماء کے یہاں جائز ہے لیکن بعض لوگوں نے اپنے جہل کی وجہ سے اسے ناپسند کیا ہے کیونکہ کتاب و سنت پر ان کی بہت کوتاہ نظر ہے۔ سرخسی نے کتاب کے مقدمہ میں جواز حیل کے مسئلہ پر کتاب و سنت سے متعدد دلائل بیان کیے ہیں اور بتایا کہ وہ حضرات جو بتوسط حیل حرام سے دور رہنا چاہتے ہیں اور حلال سے قریب ہونا چاہتے ہیں یہ ایک اچھا عمل ہے۔ لیکن یہ چیز اس وقت تک ناپسندیدہ ہے جب کہ کسی کو اس کے حق سے دستبردار کرنے کے لئے اختیار کیا جائے، اگر یہ نیت ہے تو مکروہ ہے، لیکن اگر معاملہ کے پیچھے صدق نیت کارفرما ہے تو کوئی حرج نہیں[1]۔

ثانی: مخطوطات

(۱) کتاب الصلوٰۃ: یہ مخطوطا استنبول کی لائبریری میں ۱۱۰۰/۲ کے تحت فقہ حنفی میں ۱۴۲ پر موجود ہے[2]۔

(۲) کتاب الفتاوی: بعض فتاوے امام محمد کی جانب منسوب کیے گئے ہیں اور ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انھیں امام ابوحنیفہ نے تالیف کیا ہے اس کا اصل مخطوطہ فرانس کے شہر پیرس کی لائبریری "المکتبۃ الوطنیۃ" میں ۴۵۴۴/۲ کے تحت موجود ہے[3]۔

---

[1] مقدمہ کتاب الحیل، ص ۸۷۔۸۹ [2] تاریخ التراث العربی ۲/۴۷ [3] ایضاً: ۲/۷۷۔

(۳) المسائل فی العبادات والمعاملات: اس کتاب کی نسبت امام شیبانی کی جانب غیر یقینی ہے اس کا اصل مخطوطہ قاہرہ کی لائبریری "دارالکتب" میں ۲۰۲۳۱ ب کے تحت موجود ہے[1]۔

(۴) المعشرات: یہ معشرات شیبانی کے نام سے مشہور ہے، معشرات اسے اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہر حرف پر دس اشعار ہیں اور اس کا مطلع اس طرح ہے۔

الالٰہ تحقیق الثناء — هوالمحمود فی حسن العطاء

الله واحد صمد کریم — قدیم المجد فی عز البقاء

اور یہ دس اشعار پورے ہونے کے بعد حرف ب کی باری آتی ہے، وہ فرماتے ہیں

بلأ کلها والمکث فیها — وإن جلا لها لمع الحساب

اسی طرح ہر حرف کے دس اشعار موجود ہیں۔ حرف "ی" کے دو آخری شعر ملاحظہ ہوں:

یرید سعادة فی دار عدن — ولم یره لذا لا فیه وأی

ینال الفوز من یاتی مطیعاً — اذا ما الوعد والنیران جائی

اس کا اصل مخطوطہ استنبول کی لائبریری "جامعہ" میں ۱۲۰۷ کے تحت موجود ہے[2]

لیکن اس کتاب کی نسبت آپ کی جانب مناسب نہیں ہے کیونکہ قدیم و جدید سیرت نگاروں میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی کوئی شعر نقل کیا ہے لیکن ایک نسبت یہ ضرور ہے کہ بچپن میں انھوں نے عربی زبان و ادب اور شعر کی تعلیم حاصل کی۔ شاید اسی چیز نے انھیں شعر کہنے کا اہل بنا دیا ہو، گو کہ ان کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت کم تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے علماء کے مابین مشہور نہیں تھے بلکہ

---

[1] تاریخ التراث العربی ۲/۷ [2] ایک شخصی اطلاع کے مطابق یہ مخطوطہ مکتبہ "جامعہ" میں موجود ہے۔ ابیات کی مختلف بحریں ہیں اور ان اشعار میں ارشادات ونصائح اور ترہیبات و ترغیبات سے بحث ہے۔

ان کی اصل شناخت ایک فقیہ کے روسے تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ثالث: کتب مفقودہ

بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن کے متعلق سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ امام محمد بن حسن کی ہیں لیکن فواد سزگین کے مطابق ان کے اصل مخطوطات کا پتہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ **الجرجانیات**: اس کی روایت علی بن صالح الجرجانی نے امام محمدؒ سے کی ہے۔[1]

۲۔ **الرقیات**: یہ وہ مسائل ہیں جن کی جزئیات محمد بن حسنؒ نے اس وقت بیان کی تھی جس وقت وہ "الرقہ" میں قاضی تھے۔ ان کی روایت محمد بن سماعہ نے امام سے کی جو امام کے ساتھ "الرقہ" میں ایک طویل عرصہ تک رہے۔[2]

۳۔ **الکیسانیات**: اس کی روایت امام سے شعیب بن سلیمان الکیسانی نے کی ہے اور طحاوی نے سلیمان بن شعیب سے، انھوں نے اپنے والد سے اور والد نے امامؒ سے جزء امالی اسی کا ایک جزء ہے۔[3]

۴۔ **النوادر**: اس کی ایک روایت ابراہیم بن رستم سے، ایک ابن سماعہ سے اور ایک روایت ہشام ابن عبیداللہ رازی سے ہے، یہ مسائل مذہب میں نوادر کی حیثیت رکھتے ہیں۔[4]

۵۔ **الہارونیات**: اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا۔[5]

فواد سزگین نے اپنی کتاب میں سرخسی کی کتاب "الاصول" کے حوالے سے ایک فقہی کتب کے مجموعہ کا ذکر کیا ہے جو اٹھارہ کتب پر مبنی ہے۔[6] ممکن ہے کہ یہ اصول سرخسی

---

[1] بلوغ الامانی، ص ۶۵ [2] ایضاً، ص ۶۴۔
[3] ایضاً: ۶۴ [4] ایضاً: ۶۵
[5] ایضاً: ۶۵ [6] تاریخ التراث العربی ۷۲/۲۔

نے "کتاب الاصل" (المبسوط) سے نقل کیا ہو، ایک قول یہ ہے کہ امام محمد نے ہر ابواب فقہ کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور آخر میں انھیں ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیا جس کا نام: "الاصل (المبسوط) ہے اور اس کا ذکر کتاب المبسوط کی اس فصل میں آچکا ہے۔

امام محمدؒ کی تالیفات کے استقصاء کے لئے ہم ان کی ان کتب کا بھی حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کریں گے جن کا کہ فواد سزگین نے ذکر کیا ہے۔[1] مثلاً کتاب ادب القاضی، کتاب الاستحسان، الاقرار، الاکراہ، البیوع، التحری، الحدود، الدعاء، السرقہ، الشرب، الشرکۃ، کتاب الشہادۃ، الصوم، الطلاق، العاریہ، المضاربہ اور الوصایا۔[2]

اس کے باوجود بھی مجھے یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس عظیم دانشور کی تمام کتب کا میں نے احاطہ کر لیا ہے۔ لیکن معلومات کی حد تک میں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔

---

[1] تاریخ التراث العربی ۷۲/۲ [2] ایضاً: ۷۲/۲

چوتھا باب

"الجامع الصغیر" — ایک مطالعہ

۱۔ صحت کتاب
۲۔ صحت عنوان
۳۔ سبب تالیف
۴۔ مصادر کتاب
۵۔ کتاب کا علمی مقام
۶۔ الجامع الصغیر کا اسلوب

الجامع الصغیر — ایک مطالعہ

صحت کتاب کی نسبت

وہ تمام کتابیں جن میں ذرہ برابر بھی امام کی سیرت کا ذکر ہے ان میں کتاب "الجامع الصغیر" کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی جتنی لائبریریز میں "الجامع الصغیر" کے مخطوطات موجود ہیں ان کے ساتھ امام کا نام بھی جڑا ہوا ہے۔ یا جتنے ایڈیشن اس کے اب تک آچکے ہیں وہ امام کے نام سے منسوب ہیں چاہے یہ ہندوستان میں شائع ہوئے ہوں یا شام ومصر میں، تمام تر ایڈیشن بغیر کسی شک وشبے کے آپ سے منسوب ہیں۔ یہ ظاہرۃ الروایۃ کے موضوع پر ہے۔

۲۔صحت عنوان

یہ چیز تمام مخطوطات اور مطبوعات پر وارد ہوتی ہے کہ کیا اپنے مضامین کے لحاظ سے یہ عنوان درست ہے۔ اسی طرح یہاں یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کیا یہ عنوان موضوع کے مناسبت سے صحیح ہے، تمام شارحین کے نزدیک یہی عنوان متن کے ساتھ ہے۔ کسی کے یہاں اس سلسلے میں اختلاف نہیں پایا جاتا

۳۔سبب تالیف

شمس الائمہ ابوبکر محمد سرخسی اپنی شرح میں رقم طراز ہیں کہ "الجامع الصغیر" کا سبب تالیف یہ ہے کہ وہ جب اپنی تمام کتب کی تالیف سے فارغ ہوئے تو امام ابو یوسف نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک ایسی کتاب ترتیب دیں کہ جس میں ان سے روایت کردہ وہ احادیث جو امام اعظم سے مروی ہیں اپنے حافظ کی بنیاد پر جمع کر دیں۔ چنانچہ جمع کرنے کے بعد اسے امام یوسف کے حضور میں پیش کیا تو دیکھنے کے بعد انھوں نے کہا کہ کس قدر

اچھا حافظہ ہے۔ لیکن تین مسائل میں غلطی نظر آتی ہے تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں یہ میری غلطی نہیں ہے بلکہ آپ روایت کو بھول گئے ہیں[1]۔

۴۔ مصادرِ کتاب

"الجامع الصغیر" میں امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ سے اپنی روایات کو پہلا مصدر قرار دیا ہے، یہ ان مجموعہ معلومات پر مشتمل ہے جس کی روایت انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے کی تھی اس لئے ہر باب کا آغاز درج ذیل عبارت "محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ" سے ہوتا ہے۔ "فی المناقب لابن التبرازی" میں مذکور ہے کہ "محمد سے کہا گیا کہ کیا "الجامع الکبیر" کو آپ نے ابو یوسف سے سماعت کی ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ بخدا میں نے اس کی سماعت ان سے نہیں کی ہے، وہ لوگوں کے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ باخبر تھے۔ رہی "الجامع الصغیر" تو میں نے اس کی سماعت ان سے کی ہے[2]۔

۵۔ کتاب کا علمی مقام

علی القمی نے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف اپنی تمام تر جلالت شان کے باوجود "الجامع الصغیر" کی اہمیت کا اعتراف کرتے تھے۔ احمد بن علی الرازی نے اس کتاب کی عظمت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا کہ "جس نے اس کتاب کو سمجھ لیا وہ گویا ہمارے اصحاب میں زیادہ سمجھدار ہے اور جس نے اسے حفظ کر لیا وہ ہمارے اصحاب میں سب سے بڑا حافظ ہے، ہمارے قدیم شیوخ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی کو منصب قضا پر نہیں بٹھاتے تھے جب تک کہ اس کا پورے طریقے سے امتحان نہ لے لیں لیکن اگر وہ "الجامع الصغیر" کا حافظ ہے تو اسے بغیر کسی امتحان کے منصب قضا پر بٹھا دیتے تھے اور اگر وہ حافظ نہیں ہے تو اسے اس کتاب کا حفظ کرنے کا حکم دیتے تھے[3]۔ اسی لئے

---

[1] مقدمۃ النافع الکبیر ص ۳۲۔ [2] المناقب لابن التبرازی الکردری ۲/۱۵۰۔

[3] المناقب۔ ابن البزازی الکردری ۱/۱۵۰۔

علماء کرام کے نزدیک اس کی بہت اہمیت ہے اور قابلِ قدر علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

۶۔ "الجامع الصغیر" کا اسلوب

یہ کتاب پانچ لاکھ تیس مسائل پر مشتمل ہے اور اس کے چالیس ابواب ہیں اور حسبِ ضرورت ہر باب کے مسائل میں اضافہ اور کمی ہوتی رہی ہے۔ ہر باب کی ابتداء "محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ" سے ہوتی ہے۔ اس میں فقہی علتیں بیان نہیں کی گئی ہیں اور کتاب وسنت نیز اجماع وقیاس کی بنیاد پر دلائل نہیں دیئے گئے ہیں۔ ایک سو ستر مسائل میں ائمہ کے اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے بجز دو مسئلوں کے کہیں قیاس اور استحسان کا ذکر نہیں ملتا۔ شیخ الحلوائی فرماتے ہیں کہ "اس کتاب کے بیشتر مسائل بڑی تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں اور کتاب کے مسائل تین حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

پہلی قسم روایات پر مبنی ہے۔ دوسری قسم کے مسائل کتابوں میں موجود ہیں، لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ جواب ابو حنیفہ کا ہے یا کسی اور کا۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ہر فصل کا جواب ابو حنیفہ کے قول پر مبنی ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مسائل کا اعادہ ان لفظوں سے نہیں کیا گیا ہے جو عموماً فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔

اس کتاب کی روایت امام محمدؒ عیسی ابن ابان اور محمد بن سماعہ سے ہے، کتاب کی تمام معلومات کو امام محمد بن حسن نے جمع کیا ہے لیکن ترتیب وتبویب کا کام انھوں نے خود انجام نہیں دیا ہے کتاب کے مقدمہ میں مذکور ہے کہ "محمد بن حسن نے فقہ کے موضوع پر "الجامع الصغیر" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی اور اس میں چالیس فقہی کتابوں کو جمع کیا لیکن کسی کتاب کی تبویب کا فریضہ خود انجام نہیں دیا۔ جس طرح کہ انھوں نے بذاتِ نفس "کتاب المبسوط" کی تبویب کی تھی۔ الجامع الصغیر کی تبویب اور ترتیب فقیہ ابو الطاہر الدباسؒ نے انجام دی۔ تاکہ طلبہ کو اسے حفظ کرنے

میں سہولت ہو۔ الحسن بن احمد الزعفرانی کی سیرت بعنوان "الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ" میں مذکور ہے کہ وہ قابلِ اعتبار امام تھے۔ انھوں نے محمد بن حسن کی "الجامع الصغیر" کو نہایت سلیقے سے ترتیب دیا۔ بالخصوص ابو یوسف سے مذکورہ روایات ابواب کے تحت مذکور نہیں تھیں، انھیں ابواب کے مطابق ترتیب دیا۔

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردوادب، آپ بیتی، نقدوتجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com